ڈاکٹر نسیمہ رحمان
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو
جی سی یونیورسٹی، لاہور

نوآبادیاتی عہد میں لاہور کا محکمہ تعلیم اور نثری درسی کتب
(انیسویں صدی کے نصف دوم میں)

After the affiliation of Punjab (1849), the British needed human resource in order to keep colonial system in its place. So the department of education was established (1856) under the patronage of Colonel Hallroyid and Major Fuller, and the preparation of text books began. Therefore, so many competitions were announced time and again, and a text book committee was formed (1877) for this purpose. After 1857, that was the very platform, the Urdu prose flourished by leaps and bounds in the areas of education, literature and artistry from two perspectives:subject matter and manner of writing. For the preparation and accomplishment of standard textbooks, experts and intellectuals were invited from Uttar Pardash(U.P.) to Lahore. Amongst which mostly were the capable teachers and intelligent students from Delhi College, who not only knew about the ancient and modern branches of knowledge, but also understood the motive and purpose of British government. They established the curricular and academic progression of writing and editing on best lines and proved themselves the coadjutors in the completion of British motives. Although the prose of textbooks is considered as functional prose, yet it provided the basis of literary prose. This is the reason which increased the importance of education department and its textbooks in colonial era to manifolds. This paper reviews the historical developments surrounding Urdu and its spread in that particular era.

انیسویں صدی میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دے کر عدالتی اور دفتری امور میں رائج کرنے جیسے اقدامات نے اردو زبان کو ایک بنیاد فراہم کی یہی وجہ تھی کہ اسے باقاعدہ سرکاری و دفتری اور عدالتی زبان کے طور پر ابھارنے اور استعمال میں لانے کے لیے تعلیمی نظام نے اس کی بنیادوں کو مزید مستحکم کیا۔ اس کی تائید ہولرائڈ ڈائریکٹر تعلیمات، لاہور کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ کہتے ہیں ''میرا خیال ہے جب تک اردو عدالتی زبان ہے لوگ عام طور پر اس کی تحصیل کے واسطے کوشش کریں گے'' انگریز

حکومت نے سیاسی و انتظامی امور میں مسائل اور مشکلات کو دور کرنے کے لیے تعلیم کی جانب توجہ دی۔''۱۸۵۴ء کا ووڈ ڈسپیچ،''[۲] برطانوی سرمایہ دار نو آبادیاتی ریاست کے مفادات کا بہترین عکاس تھا جس کے نتیجے میں مرکزی اتھارٹی کے زیر اہتمام تمام صوبوں کے لیے محکمہ تعلیم تشکیل دیئے گئے۔

ہر صوبہ میں محکمہ تعلیم کا قیام مختلف اوقات میں ہوا اور وہاں تعلیم کی ترقی یا تنزلی کے اسباب مختلف رہے ہیں۔ فتح پنجاب سے قبل ایسٹ انڈیا کمپنی (جو ایک اور نئے صنعتی نظام معیشت وطرز معاشرت کا نمائندہ تھی) کے افسران برصغیر میں اپنے اقتدار کو توسیع اور طول دینے کے لیے ایک سطح پر فوجی مہم جوئی کے ذریعے نئے علاقوں پر قابض ہو رہے تھے۔ دوسری جانب ایسے ادارے قائم کیے جا رہے تھے جو کمپنی کے اقتدار اور قبضہ کو بقاو دوام بخشیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پنجاب پر قبضہ تک کمپنی کا اقتدار مستحکم ہو چکا تھا۔ لہذا پنجاب میں بھی ایک نوآبادیاتی سرمایہ دارانہ نظام معیشت و معاشرت کو رائج کیا گیا جس سے لاہور سب سے زیادہ متاثر ہوا۔ الحاق پنجاب (۱۸۴۹ء) سے قبل لاہور سمیت پورے پنجاب میں مدارس کا نظام چل رہا تھا۔ جن میں عربی، فارسی اور سنسکرت زبان ذریعہ تعلیم تھیں۔ مسلمانوں کا اپنا منظّم اور مربوط نظام تعلیم تھا۔ جس میں مساجد علم کا مرکز ہوا کرتی تھیں ان مساجد کے ساتھ مدرسے اور مکتب کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ان مکاتب میں مسلمان اور ہندو دونوں ہی فارسی کی تعلیم ہندو اور مسلم اساتذہ سے حاصل کرتے تھے جبکہ مدرسوں میں علماء درس دیا کرتے تھے۔[۳] ۱۸۴۹ء سے قبل لاہور تحصیل علم کے حوالے سے مشہور تھا اس کا اندازہ ہمیں اس بات سے ہوتا ہے کہ خان بہادر ارسطو جاہ رجب علی (۱۸۰۱ء- ۱۸۹۹ء) کو ضلع لدھیانہ کی تحصیل جگراؤں سے بارہ برس کی عمر میں حصول علم کے لیے لاہور بھیجا گیا۔[۴]

لاہور کے مدارس و مکاتب میں مسلمانوں کو ان کے متداول علوم کی تعلیم عربی اور فارسی زبان میں دی جاتی تھی۔ لاہور شہر کی تعلیمی ترقی کا اندازہ ۱۸۵۰ء میں ہونے والی مردم شماری سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جس میں روایتی تعلیم کی درسگاہوں کی تعداد کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے۔''اس وقت شہر میں ایک سو فارسی سکول، چھتیس عربی سکول، چوالیس عربی مشترکہ سکول اور اڑتیس شاستری سکول تھے۔''[۵] انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کرنے اور لاہور کو مرکز بنانے کے بعد اپنا نظام تعلیم نافذ کرنے کی کوششیں شروع کر دیں ہر چند کہ برطانوی نو آبادیاتی حکام نے ۱۸۳۵ء ہی میں اپنے نظام تعلیم کے خدوخال متعین کر دیئے تھے جس کے مطابق سرکاری تعلیم کا مقصد ہندوستان میں مغربی علوم و سائنس کی اشاعت اور آئندہ سے ملک کی سرکاری زبان بھی انگریزی ہو گی۔اس قرارداد کے نتیجہ میں طلباء کے وظائف دیسی مدرسوں اور مشرقی کتب کی اشاعت کی سرکاری امداد ختم کر دی گئی اور یہ سفارش کی گئی کہ''ان اصلاحات کے نتیجے میں حاصل ہونے والی رقوم کو مقامی آبادی کو انگریزی ادب اور سائنسی علوم انگریزی زبان کے ذریعے سکھانے کے لیے استعمال کیا جائے۔''[۶] کمپنی کے سرمایہ دارانہ نظام معیشت و معاشرت کی بقا وفروغ ایسے ہی تعلیمی نظام پر قائم تھی جو انہیں نو آبادیاتی نظام حکومت ومعیشت کو چلانے کے لیے کارکن اور افرادی قوت فراہم کرے۔ میکالے کے الفاظ میں ایسے افراد چاہیے تھے جو''رنگ ونسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر فکر و مذاق اور دل ودماغ کے اعتبار سے انگریز ہو''[۷] صاحب علم اصحاب نے انگریزوں کے اس ارادے کو بھانپ لیا تھا چنانچہ''ایک مشہور اہل الرائے کے الفاظ میں اس نظام سے فقط ایسے اشخاص پیدا ہوئے جو محض سرکاری دفتروں میں ریلوے اسٹیشنوں پر کلرک کی حیثیت سے کام کر سکتے تھے مگر ان میں حقیقی علمی و ادبی استعداد نہ تھی،''[۸]

ان اقدامات کا اثر یہ ہوا کہ ایک طرف مکتب اور مدرسے اجڑ گئے اور وہاں عربی و فارسی کی تعلیم منقطع ہو گئی۔ دوسری طرف اردو کے فروغ کے امکانات روشن ہو گئے کیونکہ اردو کو اس انگریزی نظام تعلیم کا مرکزی مضمون قرار دیا گیا۔ اس نئے تعلیمی نظام کے نفاذ کے ضمن میں ہونے والی خط وکتابت [۹] سے پتہ چلتا ہے کہ ان کوششوں کا آغاز ۱۸۵۳ء میں ہوا چونکہ اردو کو ورنیکولر زبان کی حیثیت حاصل تھی اس لیے حکومت پنجاب نے ورنیکولر نظام تعلیم رائج کرنے کی سفارش کر دی لہذا لاہور (پنجاب) میں ۱۸۵۶ء میں جب محکمہ تعلیم قائم ہوا تو اردو ہی کو بہتر ذریعہ تعلیم ورنیکولرزبان قرار دیا گیا۔ تعلیمی نظام کی بہتری کے لیے سکول کھولے گئے پہلے سے موجود تعلیمی اداروں کو سرکاری فنڈز دیئے گئے۔ اس سلسلہ میں ٹھوس اقدامات کی تجویز دی گئی۔ مثلاً تعلیم کے ذریعہ تدریس کے ساتھ درسی کتب کی تیاری اور ان کی اشاعت کا بندوبست؛ مقابلے کا امتحان کا اردو میں ہونا اور مختلف ٹیسٹ اردو میں تیار کرنا۔ ان اقدامات سے تعلیمی سرگرمیوں میں تیزی آئی۔ ''لارڈ لارنس نے اپنی ایک ابتدائی رپورٹ میں تحریر فرمایا ہے کہ فی الحال جو بڑا مقصد کہ ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم اردو زبان میں دی جائے اور سب سے پہلا کام یہ ہے کہ عام لوگوں کو ہمارے علوم کے آسان اور ابتدائی اصول انہی کی زبان میں سکھائے جائیں۔ اس زمانہ میں جبکہ ترجموں کا عام ہونا ممکن ہے''[۱۰] چنانچہ تعلیم کی نشرواشاعت کے ساتھ ہی اردو نثر کی نشرواشاعت میں بھی تیزی آئی۔ تمام مدارس میں ذریعہ تعلیم اردو تھی جبکہ بعض مڈل سکولوں میں انگریزی اختیاری تھی۔ گویا غالب عنصر ''اردو'' کی تدریس کا تھا۔ یوں نظامت تعلیم نے اردو زبان و ادب اور تعلیم سے دلچسپی کا بھرپور اظہار کیا اس کے لیے ۱۸۵۷ء کے اوائل میں بک اینڈ ٹرانسلیشن ڈیپارٹمنٹ قائم کیا گیا۔ محکمہ تعلیم اور پنجاب بک ڈپو[۱۱] کے قیام سے دو ایسے پلیٹ فارم استعمال کئے گئے جہاں سے اردو کی ادبی نثر کے رواج کا نہ صرف آغاز ہوا بلکہ اسے فروغ دینے کے لیے مؤثر اقدامات بھی کیے بعد ازاں ۱۸۷۷ء میں درسی کتب کو نصابی سطح پر زیادہ منظم و مربوط بنانے کے لیے ٹیکسٹ بک کمیٹی کا قیام بھی اسی سلسلے کی بنیادی کڑی تھی۔

انگریز اپنے ان مقاصد کی تکمیل کے لیے یو-پی سے قابل اور تجربہ کار صاحب علم افراد کو لاہور لائے۔ جن میں بیشتر دہلی کالج کے قابل اساتذہ اور ہونہار فارغ التحصیل طلباء شامل تھے۔ جن کی تعلیم و تربیت قدیم و جدید علوم سے ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں بدلتی ہوئی اقدار کا احساس بھی تھا جس نے انہیں زندگی کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ لاہور میں انگریزوں کو نئے علمی و ادبی ماحول کو سازگار بنانے اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے ایسے ہی اصحاب کی ضرورت تھی جن میں منشی ہرسکھ رائے، ماسٹر پیارے لال آشوب، مولوی کریم الدین، منشی درگاہ پرشاد، پنڈت اجودھیا پرشاد، محمد حسین آزاد، میر نثار علی شہرت، پنڈت من پھول، مولوی ضیاء الدین، سیف الحق ادیب، پنڈت موتی لال، ڈاکٹر مکند لال، پنڈت شیونرائن، منشی مرزا بیگ خان دہلوی، مولوی امو جان ولی، مرزا اشرف بیگ، مولوی محمد یوسف، ماسٹر چندولال، مولوی محمد سعید دہلوی، مرزا بیگ خان دہلوی، مرزا ارشد گورگانی وغیرہ کے علاوہ مولانا الطاف حسین حالی بھی شامل تھے۔ یہی وہ قابل اور ذہین لوگ تھے جن میں سے بیشتر نے دہلی کالج کی آغوش میں تربیت پائی تھی۔ انہی نے پنجاب بک ڈپو اور محکمہ تعلیم کی سرپرستی میں اردو نثر کی گراں قدر خدمات کا فریضہ ادا کیا۔ جس سے اردو نثر میں قابل قدر سرمایہ وجود میں آیا۔ یہی وہ وقت تھا جب لاہور کی اردو نثر کے ارتقا میں نیا رنگ شامل ہو رہا تھا جس پر ادب کی چھاپ واضح نظر آتی ہے کیونکہ اس رنگ آمیزی سے قبل اردو نثر عدالتی، دفتری اور صحافتی سطح پر استعمال کی جا رہی تھی۔ عدالتی اور دفتری اردو نثر سے قطع نظر صحافتی حوالے سے لکھی جانے والی نثر نے اردو میں ادبی نثر کے لیے راستے ہموار کرنے کے لیے جو نمایاں کردار ادا کیا وہ

ناقابل فراموش ہے۔

مذکورہ بالا اصحاب کے لاہور آنے سے اردو نثر کی صحیح معنوں میں نشوونما ہوئی اور اسے فروغ ملا۔ یہ تمام اصحاب درس و تدریس کے شعبہ سے وابستہ تھے نیز انگریزی زبان میں مہارت رکھنے کی وجہ سے انگریزی سے اردو تراجم کے حوالے سے شہرت رکھتے تھے۔ انہی کی اردو نثری خدمات کی وجہ سے لاہور میں اردو نے علمی و ادبی زبان کا درجہ پایا۔ چنانچہ بجا طور پر ان اصحاب کا نام لاہور میں جدید اردو نثر کے بانیوں میں لیا جاتا رہے گا۔ بلا مبالغہ ان ادباء نے اردو نثر میں وسعت اور ترقی کے ایسے امکانات روشن کیے جن کے سہارے آج بھی اردو نثر ترقی کی منازل کامیابی سے طے کر رہی ہے۔ اس سب کے ساتھ یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ سرکاری سطح پر انہیں فلر، ہالرائیڈ اور لائٹنر جیسے علم دوست احباب کی سرپرستی میسر نہ آتی تو شاید اتنی جلد یہ ترقی ممکن ہی نہ ہو پاتی۔

۱۸۵۷ء کے سانحے کے بعد دبستان دہلی کے بہت سے شعرا اور ادبا نے لاہور کی صورت جائے عافیت اور اپنے لیے نئی جولاں گاہ کو تلاش کر لیا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے بالعموم پنجاب اور بالخصوص لاہور زیادہ متاثر نہ ہوئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ یہاں ادبی سرگرمیاں اپنی رفتار سے جاری و ساری رہیں۔ گارساں دتاسی اپنے ۵۔مئی ۱۸۵۹ء کے خطبہ میں لکھتا ہے ''صوبہ پنجاب فساد سے بے تعلق رہنے کی وجہ سے وہاں ادبی اشاعت میں خلل نہیں پڑا میرے دوست سید عبداللہ نے حال میں میرے پاس ایک فہرست دو سو مختلف مطبوعات کی بھیجی ہے جو لاہور سے شائع ہوئی ہیں۔''[۱۲] یہ سرگرمیاں حاکم انگریز مربیان اور مذکورہ ادبا کی معاونت سے جاری رہیں۔ جن میں سے کچھ کو انگریز حکام لے کر آئے تھے اور بعض جو خود دہلی سے ہجرت کر آئے تھے۔[۱۳] انہوں نے انگریز سرکار تک رسائی حاصل کی اور اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔ حکام نے بھی ان اصحاب ذوق کی سرپرستی اور مالی امداد دے کر نہ صرف انہیں اپنا ہمنوا بنا لیا بلکہ انہوں نے جو کچھ مساعی کیں انہیں اپنے نام سے شائع کیا۔ اس طرح اردو نثر کے ارتقا کے پس پردہ انگریز اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی تکمیل کرتے چلے گئے۔

ہجرت جو ارتقا کا استعارہ ہے اردو نثر نے بھی اس سے قوت کشید کی۔ چنانچہ انہی ادبا کی لاہور آمد دبستان لاہور کا سنگ بنیاد قرار پائی اور لاہور ایک مستحکم ادبی روایت کا امین بنا۔ ۱۸۵۷ء کے واقعہ نے جہاں تاریخ کا رخ یکسر بدلا وہیں لاہور میں اردو نثر کے لیے مہمیز کا کام کیا۔ یوں تو لاہور میں ۱۸۵۶ء میں محکمہ تعلیم کا قیام عمل میں آ چکا تھا لیکن ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں اس کی کارکردگی قدرے متاثر ہوئی۔ جبکہ محکمہ تعلیم کی اصل کارکردگی اور ترقی ۱۸۵۷ء کے بعد ہی شروع ہوئی۔ گارساں دتاسی اسی بات کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''شورش عظیم کے باعث اس سررشتے کی ترقی رک گئی لیکن اب امن و امان قائم ہونے کے بعد تعلیم کو فروغ شروع ہو گیا ہے۔ بااین ہمہ سند ۱۸۶۰ء تک صرف ابتدائی تعلیم (ورنیکلر مدارس) کی طرف توجہ دی گئی۔ اس تاریخ کے بعد تعلیم کا خیال پیدا ہوا۔''[۱۴] لاہور کا محکمہ تعلیم ہی ایسا محکمہ تھا جس نے اردو کے نثری ادب میں بڑھ چڑھ کر اپنی خدمات پیش کیں۔ ۱۸۶۴ء میں لاہور میں جدید تعلیم کا اہم تعلیمی ادارہ گورنمنٹ کالج لاہور کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کے پہلے پرنسپل انگریز مستشرق ڈاکٹر لائٹنر تھے۔ سرکاری سطح پر محکمہ تعلیم کے افسران میجر اے آر فلر، کرنل ڈبلیو آر ایم ہالرائیڈ اور لائٹنر ایسے مستشرقین نے لاہور میں ادبی سرگرمیوں کو تیز کرنے میں مذکورہ مصنفین کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی بلکہ باہمی اشتراک سے کتب بھی لکھیں۔ اس سے اردو کی لسانی تحریک کو بھی خاص طور پر بڑا فائدہ پہنچا۔ خصوصاً فلر اور ہالرائیڈ نے اردو زبان کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ تعلیمی مدارس

میں تدریسی مقاصد کے لیے درسی کتب کی تشکیل کا بیڑا اٹھایا اور نصاب مرتب کیے۔ اس کے لیے قدیم اور نایاب کتب کی طباعت کے علاوہ نئی کتب لکھوانے پر بھی زور دیا۔ کیونکہ اس وقت انگریز ماہرین کے خیال میں قدیم طریقہ تعلیم ذہنی نشوونما کے لیے موزوں نہ تھا۔ ان کے نزدیک یورپین طریقہ تعلیم سے ہی بچوں کی ذہنی ترقی جلد عمل میں آ سکتی تھی۔ قدیم طریقہ تعلیم اور تدریسی سرمایے کے بارے میں گارساں دتاسی لکھتا ہے:

''سات سال کی عمر میں بچے کو لکھنا سیکھایا جاتا ہے۔ استاد تختی پر حروف اور الفاظ لکھتا ہے۔ بچہ اس کے نیچے نقل کرتا ہے۔ چند ماہ بعد ''خالق باری'' حفظ کرائی جاتی ہے۔ خالق باری ایک چھوٹی سی منظوم لغت ہے جس میں فارسی الفاظ کے معنی اردو میں ہیں اس کے چند ماہ بعد کریما اور ہند نامہ سعدی کی باری ہوتی ہے۔ آٹھ سال کی عمر میں استاد بچے کو صبح گلستان اور شام بوستان پڑھانا شروع کرتا ہے۔ سعدی کی یہ کتابیں ایران، ترکی کی طرح ہندوستان میں بھی بطور کتب مستند پڑھی جاتی ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو استاد گوشمالی بھی کرتا ہے۔

بارہ سال کی عمر میں عام طور پر نظامی کا سکندر نامہ پڑھایا جاتا اور اس کے ساتھ انشاء کی مشق کرائی جاتی اس عمر میں تھوڑی سی عربی بھی شروع کر دی جاتی لیکن اس کا منشا صرف یہ ہوتا ہے کہ فارسی اردو تحریروں میں جو عربی الفاظ استعمال ہوتے ہیں ان کے معنی سے واقفیت حاصل ہو ۔۔۔ بچہ جب تعلیم ختم کر کے مدرسے سے نکلتا ہے تو فارسی ادب سے واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ چند اشعار اور کہاوتیں یاد ہوتی ہیں۔ تھوڑی بہت ریاضی بھی آ جاتی ہے لیکن جغرافیہ اور تاریخ میں وہ بالکل کورا ہوتا ہے۔ فلسفہ یا سائنس کے بارے میں وہ ایک حرف نہیں جانتا۔ ہندوؤں کی پاٹ شالا میں بھی یہی حالت ہے۔''[۱۵]

مستشرقین نے اس طریقہ تعلیم میں اصلاح کی۔ گارساں دتاسی نے جابجا اپنے خطبات میں میجر فلر کی اردو زبان و ادب سے دلچسپی اور اس کے فروغ کے لیے کی جانے والی کوششوں کا ذکر کیا ہے۔ اپنے ۴۔دسمبر ۱۸۶۵ء کے خطبہ میں فلر کی اردو زبان سے دلچسپی اور ادب کی توسیع کے لیے کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''انہیں خاص ہندوستانی زبان کے ساتھ دلچسپی ہے۔ آپ نے ہندوستان کی متعدد قدیم و نایاب کتابیں طبع کرائی ہیں اور خود بھی نئی کتابیں اسی زبان میں لکھی ہیں اور لکھوائی ہیں۔۔۔ بلکہ ساتھ ہی ایک ہندوستانی ماہوار رسالہ بھی شائع کراتے ہیں۔''[۱۶] فلر ۱۸۵۶ء میں ناظم تعلیمات پنجاب ہوئے۔ دراصل برطانوی دور میں تعلیمی میدان میں جتنی بھی ترقی ہوئی اس میں میجر فلر کی انتھک محنت کا نمایاں حصہ ہے۔ فلر ہی نے تعلیم نسواں پر توجہ دی۔ فلر کے دور میں ہونے والی تعلیمی ترقی کا اندازہ ان شاندار سالانہ تعلیمی رپوٹوں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے بحیثیت ناظم تعلیمات پنجاب کے لکھیں۔ فلر نے مقامی زبان و ادب کی توسیع و ترقی کے لیے آزادانہ فضا ہموار کی۔ اردو نثر میں بہت سی کتابیں اور رسائل خود شائع کیے اور دوسروں سے بھی لکھوائے۔ اس کے لیے فلر نے لیفٹیننٹ سرڈی میکلوڈ کی سربراہی میں ایک کمشن بھی قائم کیا۔ جس نے مفید اور بلند پایہ نثری کتب لکھوائیں نیز اپنی انگریزی تالیفوں کا اپنی نگرانی میں ترجمہ بھی کروایا۔

۱۸۶۸ء میں میجر اے آر فلر کی راولپنڈی کے قریب نالے میں ڈوبنے سے ہونے والی ناگہانی موت کے بعد کرنل ہالرائیڈ کو سررشتہ تعلیم کا ناظم تعلیمات بنا دیا گیا۔ اول اول ہالرائیڈ کا تقرر ۱۰ جنوری ۱۸۵۴ء کو درجہ اول کے افسر کی حیثیت سے ہوا۔ پنجاب

کے ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن بھی رہے۔ ہالرائیڈ ، میجر فلر کے عہد نظامت میں ناظر مدارس (۱۸۵۷ء تا ۱۸۶۷ء)اور فلر کی عدم موجودگی (۱۸۶۷ء) میں قائم مقام ناظم کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ہالرائیڈ کا تقرر شعبہ تعلیم کے علاوہ اردو نثر کے لیے بھی نیک فال ثابت ہوا۔ ہالرائیڈ نے اپنے عہد نظامت میں اردو زبان و ادب کی سرپرستی اور حمایت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھا۔ اردو زبان روانی اور بلاتکلف بولنے کی استعداد رکھتے تھے۔ ان کی کتب ''قواعد اردو، تسہیل الکلام، یا آسان ہندوستانی (مرتبہ)،سلّم الادب، ہالرائیڈ کا اردو زبان و ادب سے لگاؤ کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ہالرائیڈ کی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کا عہد اس لحاظ سے بھی خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے کہ انہوں نے بے شمار کتابیں طلباء مدارس کے لیے انگریزی سے اردو ترجمہ کرائیں اور اردو زبان کو تراجم کے ذریعے وسعت اور فروغ دیا۔ نیز پنجاب حکومت نے اردو اخبار ''پنجاب گزٹ'' ان کی زیرنگرانی جنوری ۱۸۷۳ء میں جاری کیا۔ [۱۷] دراصل اردو کے نصاب مرتب کرنے کا باقاعدہ آغاز انہی کے دور میں ہوا اور اسے مزید بہتر بنانے کا اندازہ دتاسی کے اس بیان سے ہوتا ہے:

> ''حکومت پنجاب ان کتابوں اور طرز نگارش کی طرف سے غافل نہیں ہے جو مدرسوں کے نصاب میں داخل ہیں۔ ایک کمیٹی اس لیے مقرر کی گئی ہے کہ ان کتابوں کی جانچ کرے اور ان میں سے جو ناقص ہوں ان کی اصلاح کرے اور جو کتابیں ناقص قرار دی جائیں گی ان کی جگہ دوسری کتابیں تجویز کرے جو ناظم تعلیمات مرتب کرائے گا۔'' [۱۸]

سید احمد دہلوی ''محاکمہ مرکز اردو'' میں ہالرائیڈ کی خدمات کا احاطہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''کرنل ہالرائیڈ صاحب بہادر نے ڈائریکٹری کا چارج لیتے ہی دہلی کے اہل کمال کو نہایت اعزاز سے وہاں بلا لیا اور سررشتہ تعلیم کی اردو تصانیف کو ایسا مانجھا کہ دہلی کی اصلی اور ٹکسالی زبان کا لطف آ گیا۔'' [۱۹] اگرچہ اردو نصاب (جو کہ منظوم صورت میں ہوتے تھے) [۲۰] کا سلسلہ سہولویں صدی سے ملتا ہے لیکن اردو کو باقاعدہ زبان کی حیثیت دے کر اسے تعلیمی تقاضوں کے پیش نظر مرتب ہونے والے اردو کے نصاب برطانوی دور سے ہی ملتے ہیں جو زیادہ تر نثری صورت میں ہیں۔ [۲۱] اس سلسلہ میں کرنل ہالرائیڈ کے زمانہ میں نہ صرف تیزی آئی بلکہ باقاعدگی بھی نظر آتی ہے۔ اس کا احساس اس رپورٹ سے بخوبی ہوتا ہے جو ہالرائیڈ نے بحیثیت ناظم تعلیمات پنجاب کے ہر سال شائع کیا کرتے تھے جس میں پورے سال میں تصنیف ہونے والی اردو کتب اور مطبوعات کی فہرست بھی شامل کی جاتی۔ مثلاً دتاسی کے خطبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۶۷ء تا ۱۸۶۸ء میں انہوں نے لاہور، دہلی اور لدھیانہ سے شائع ہونے والی ۱۵۲ کتابوں کی فہرست دی جس میں اردو کی ۱۱۹ تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے۔ درسی کتب کے فروغ کے لیے ہالرائیڈ نے ایک انعامی مقابلے کے سلسلہ کا آغاز کیا۔ جو درحقیقت اردو نثر ہی کے فروغ کا باعث بنا۔ خطبات گارساں دتاسی ہی سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۶۸ء کے اوائل میں ہالرائیڈ نے یہ اعلان کیا کہ ۳۱ مارچ ۱۸۶۹ء کو اردو تصانیف کا ایک مقابلہ عمل میں آئے گا۔ [۲۲] اعلان کے مطابق چار مختلف موضوعات پر بہترین تصانیف لکھ کر اول، دوم، اور سوم انعامات حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اول آنے پر ایک ہزار روپیہ انعام کا اعلان کیا گیا تھا۔ موضوعات درج ذیل تھے۔

۱۔عام اصول صرف ونحو ۲۔فارسی صرف ونحو ۳۔تاریخ ہند سے متعلق ایسی کہانیاں جن میں اہم واقعات اور مشاہیر کے مفصل حالات کا تذکرہ کیا گیا ہو

۴۔اقلیدس کے ایک حصہ کا اردو ترجمہ

یہ انعامی مقابلہ مندرجہ ذیل دو نکات کے ساتھ مشروط تھا:

اول: تصانیف کی زبان نہایت سادہ اور سلیس ہو۔ اس کے لیے حتی المقدور عربی، فارسی تراکیب محاورات کے استعمال سے اجتناب کیا جائے۔

دوم: منتخب ہونے والی تصانیف محکمہ تعلیم کی ملکیت شمار کی جائیں گی نیز محکمہ کو حق ہو گا کہ وہ انہیں ضروری تغیر و تبدل کے ساتھ طباعت کے زیور سے آراستہ کرے۔

اس اقدام کے نتیجے میں فلر اور بعد ازاں ہالرائیڈ کی سرپرستی اور خصوصی دلچسپی کی بناء پر مولوی کریم الدین، پیارے لال آشوب، محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، موتی لال، مولوی ضیاء الدین وغیرہ کی کاوشوں سے جو درسی اور تعلیمی نثری کتب وجود میں آئیں ان کی تفصیلات میں جانے سے قبل ان دستیاب کتب کا ذکر کرتے ہیں جو ۳۱ مارچ ۱۸۶۹ء کو ہالرائیڈ کے اعلان کے ردعمل میں ظہور میں آئیں۔ اس ضمن میں تین فارسی، قواعد جبکہ دو قصے مذکورہ معیار پر پورا اترے جن کے نام ا۔''جامع القواعد فارسی'' مصنفہ مولوی کریم الدین [۲۳] ۲۔''اصول فارسی'' مصنفہ مولانا الطاف حسین حالی [۲۴] ۳۔'فارسی قواعد'' مصنفہ مولانا محمد حسین آزاد [۲۵] ۴۔''کنزالفوائد'' مصنفہ مولوی سعید احمد دہلوی [۲۶] ۵۔''خیالات کلیان بہ موسوم بہ مراۃ العقل'' مصنفہ منشی کلیان رائے [۲۷] ہیں۔ ان تصنیفی انعامی مقابلوں کے علاوہ درسی کتب کی تصنیف و تالیف کے سلسلہ کو زیادہ منظم اور مربوط بنانے کے لیے ٹیکسٹ بک کمیٹی (۱۸۷۷ء) کی بنیاد رکھی گئی۔ بعد ازاں ۱۸۸۲ء - ۱۸۸۱ء میں اس کمیٹی تشکیل جدید کی گئی جس کے تحت مختلف مضامین و موضوعات کے علمی، ادبی اور تحقیقی معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کیلئے پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی نے آٹھ سب کمیٹیاں [۲۸] مقرر کیں جو اس ادارے کی کاوشوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

چنانچہ میجر فلر اور بعد ازاں میجر ہالرائیڈ کی سرپرستی میں تصنیف و تالیف کے مرحلے سے گزرنے والی ان درسی او رنصابی کتب کا جائزہ لینا ناگزیر ہو جاتا ہے کیونکہ ان درسی اور نصابی کتب سے جہاں تعلیمی ضروریات پوری ہوئیں وہیں اردو نثر میں بے بہا اضافہ ہوا۔ اسی ذریعے سے اردو نثر کو ادبی نثر کا درجہ بھی ملا۔ یہ بالکل ایسا ہی معاملہ تھا جیسے فورٹ ولیم کالج میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین کو اردو سیکھانے کے لیے نصاب کی ضرورت کو تراجم سے پورا کیا گیا اور اردو نثر کو فروغ مل گیا۔ ویسے ہی لاہور میں محکمہ تعلیم کے تحت انگریزوں نے مقامی لوگوں پر اپنا اعتماد اور اعتبار جمانے اور انہیں اپنا ہمنوا کے لیے پنجاب بک ڈپو کی صورت میں علمی تراجم کی روایت کو مستحکم کیا تو ساتھ ہی جدید اور سائنٹفک اصولوں کے پیش نظر درسی کتب لکھوائیں چونکہ اس وقت تک فورٹ ولیم کالج، دہلی کالج اور دیگر انفرادی کاوشوں کی وجہ سے اردو نثر اتنی ترقی کر چکی تھی اور اس کا دامن اس قدر وسیع ہو چکا تھا کہ اب اس میں نصابی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے درسی کتب لکھوائی جاتیں۔ یہ وہ وقت تھا جب لاہور میں اردو زبان شعروشاعری کے دائرے سے آگے بڑھ کر نثر کی صورت میں باقاعدہ تعلیم وتصنیف کا ذریعہ بن رہی تھی۔ اس مرحلے کو بااحسن طریقے سے پورا کرنے کے لیے یو پی سے اہل علم اصحاب کو لاہور لایا گیا جو دہلی کالج کے پروردہ ہونے کے ساتھ درس و تدریس سے دلچسپی رکھتے تھے اور اس شعبہ سے وابستہ تھے۔ درحقیقت یہ اصحاب مشرقی و مغربی علوم کا ایسا امتزاج تھے جو انگریزوں کے نقطہ نظر کو بخوبی سمجھتے اور ان کے

مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسی ہی درسی کتب تخلیق کر سکتے تھے جیسی کہ انگریز چاہتے تھے۔ ایسے ہی اصحاب کے لاہور آنے کی وجہ سے اردو نثر نے ارتقا کے اگلے مرحلے پر قدم رکھا۔ جہاں اس میں ادبیت کا رنگ بھی شامل ہوا۔ اس ادبی رنگ میں دہلی کی روزمرہ زبان اور محاورے کے رچاؤ نے لاہور میں اردو نثر کے ایک نئے دبستان کی بنیاد کو پروان چڑھایا۔ الغرض اردو نثر کی ترقی میں تیزی انہی نصابی کتب کی وجہ سے عمل میں آئی۔ یہ اردو کی نصابی اور درسی کتب ہی نہ تھیں بلکہ اردو کا وہ نثری سرمایہ تھیں جو لاہور میں ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے تخلیق پایا اور لاہور کو اردو زبان اور اردو نثر کا دبستان بنانے میں اہم اور فعال کردار ادا کیا۔ اس کا اندازہ ذیل کی نصابی کتب سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

تحفہ چشتی: ۱۸۵۴ء میں لاہور میں تصنیف پانے والی پہلی اردو قواعد ہے۔ جسے مولوی نور احمد چشتی نے لکھا اور مطبع لاہور گزٹ سے شائع کیا۔[۲۹] صرف ونحو کے موضوع پر اردو میں فنی نثر پر لکھا جانے والا ایک مختصر رسالہ ہے۔ جسے پادری جان ہنٹر مارسن کی خوشنودی کے لیے لکھا گیا۔ مولوی نور احمد چشتی چونکہ انگریزوں کو اردو پڑھایا کرتے تھے اس لیے انگریزوں کو اردو زبان سکھانے کے حوالے سے یہ گرائمر لکھی۔ اگرچہ اس کی علمی و ادبی حیثیت نہیں لیکن لاہور میں بزبان اردو لکھی جانے والی پہلی قواعد ہونے کی وجہ سے اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں علم قواعد اور تشریح اضافت وغیرہ کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ ''جائزہ زبان اردو پنجاب'' سے اس کے مندرجات معلوم ہوتے ہیں کہ یہ مختصر رسالہ چھ فصول اور تعلیم پر منقسم ہے۔ ہر فصل میں بعض تعلیمات ہیں جس میں کسی اور طرح کی ترتیب مفقود ہے مثلاً پہلی فصل کے ضمن میں تعلیم پہلی تردید کے بیان میں، تعلیم دوسری حرف وشرط کے بیان میں، تعلیم تیسری حروف استثناء کے بیان میں۔ تعلیم چوتھی مرکب کے بیان میں۔ فصل دوم، تعلیم پہلی اضافت کے بیان میں، تعلیم دوسری مضاف اور مضاف الیہ کے بیان ہیں، عموم اور خصوص مطلق کی نسبت سے۔ فصل تیسری، علامت اضافت کی ہندی میں، فصل چوتھی فارسی میں عطف کی علامت، ''و'' اور اردو میں ''اور'' ہے۔ فصل پانچویں، مصدر کے بیان میں، فصل چھٹی، مصدر کی دو قسمیں: (۱) لازم (۲) متعدی۔ فصل ساتویں، جو چیزیں مصدر، سے مشتق ہوتی ہیں۔ صفت پہلی، ماضی مطلق کے بیان میں، تعلیم پہلی ماضی قریب کے بیان میں، تعلیم دوسری ماضی بعید کے بیان میں، تعلیم تیسری تذکر و تانیث کے بیان میں، تعلیم چوتھی ماضی استمراری کے بیان میں۔ تعلیم مضارع کی بحث میں۔ تعلیم فعل امر کے بیان میں۔ تعلیم اسم فاعل کے بیان میں۔ تعلیم اسی مفعول کے بیان میں۔ فصل، اسم آلت کے واسطے۔ تعلیم مفید واسطے معلوم کرنے مونث اور مذکر کے۔ فصل لازمی، متعدی کا فرق ''نے'' کے ساتھ فصل، قواعد جمع مونث، مذکر وغیرہ۔ علم قواعد سکھانے کا عام فہم طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے اور ہر ایک اصطلاح کی وضاحت کی گئی ہے۔

قواعد المبتدی: مولوی کریم الدین[۳۰] نے اردو صرف ونحو پر ''قواعد المبتدی'' (۱۸۵۷ء) کے نام سے ایک رسالہ تالیف کیا جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے کہ یہ نو آموزوں کو اردو زبان سکھانے کے لیے لکھا گیا۔ جو بعدازاں متعدد بار طبع ہوا۔[۳۱] بقول مولوی کریم الدین:

> ''طالب علمان مبتدی کے واسطے حسب الحکم جناب مستطاب مسٹر آرنولڈ صاحب بہادر ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن، ممالک پنجاب، لکھا گیا۔ مطبع کوہ نور لاہور محلّہ یکی دروازہ حویلی منشی ہرسکھ رائے پروپرائیٹر میں باہتمام منشی نولکشور منیجر و غلام محمد پرنٹر و علی بخش پبلشر کے چھپا۔ سنہ طباعت ۱۸۵۷ء، صفحات ۱۲۲۔''[۳۲]

مولوی کریم الدین نے یہ رسالہ اس وقت تالیف کیا جب وہ آگرہ کالج میں اردو کے مدرس تھے۔ لاہور میں ان کی آمد سے قبل ان کی تصانیف کو لاہور میں درسی کتب کے طور پر پذیرائی حاصل تھی۔ چونکہ رسالہ لاہور سے چھپا اور یہاں کے درسی نصاب میں شامل تھا اس لیے اس کے بابت جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بعدازاں کریم الدین کی دیگر بہت سی کتب درسی نصاب کا حصہ بنیں۔ اس سے خود مولوی کریم الدین کے ذہنی ارتقا اور ان کی خدمات کو بھی سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ لاہور میں ان کا علمی و ادبی تعارف پہلے پہل اسی رسالے کے توسط سے ہوا۔ ان کی انہی صلاحیتوں کو پہچانتے ہوئے محکمہ تعلیم کے انگریز افسران انہیں لاہور لے آئے۔ رسالہ دو ابواب اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں علم صرف کے بارے میں بتایا گیا ہے جو ۸۷ صفحات پر مشتمل ہے جبکہ دوسرے میں علم نحو کو ۳ صفحات پر بیان کیا ہے۔ خاتمے میں ترکیب کرنے کا طریقہ کار بتایا گیا ہے۔ اس رسالے کے بارے میں کریم الدین نے جو کچھ لکھا ہے وہ نہ صرف اردو زبان بلکہ اردو نثر میں ہونے والی ترقی کا بھی غماز ہے۔

تذکرہ المشاہیر: ۱۸۶۰ء میں طلبہ مدارس پنجاب کے لیے حسب الحکم ناظم تعلیمات کپتان فلر کے شائع ہوا۔ تذکرہ چھ ابواب پر منقسم ہے۔ باب اول میں زمانہ قدیم کے نامور اصحاب کا ذکر ہے۔ باب دوم یونانیوں کے بیان پر مشتمل ہے۔ باب سوم میں رومیوں کی تاریخ کا تذکرہ، باب چہارم میں متاخرین کا ذکر، باب پنجم میں مشرقی ممالک کے نام اور ان کی تاریخ بیان کی گئی ہے جبکہ باب ہشتم میں علماء اور فضلاء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

ورتنت وفادار سنگھ اور گدر سنگھ: مدرسہ کے بچوں کے لیے لکھی گئی اس کتاب کے مصنف لالہ رام دیال ہیں۔ یہ قصہ ۱۸۶۰ء میں ۲۴ صفحات پر طبع ہوا۔[۳۳]

منتخبات اُردو: اس کتاب کی صورت میں مولوی کریم الدین نے ۱۶۲ صفحات پر نظم و نثر کا انتخاب کیا جو کلکتہ یونیورسٹی کے نصاب کے لیے مرتب کی گئی اس میں الف لیلیٰ اور تحفۃ الاخوان الصفاء کے بعض حصے شامل ہیں۔ جو تمثل کا رنگ لیے ہوئے ہیں اس کے علاوہ گلستان اور اخلاق جلالی کے اقتباسات بھی دیئے گئے ہیں۔ یہ کتاب ۱۸۶۰ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔

مختصر تاریخ ہندوستان: ناظم تعلیمات کپتان فلر کے حکم سے ۱۸۶۰ء میں باہتمام اجودھیا پرشاد مطبع سرکاری لاہور سے شائع ہوئی۔

جغرافیہ عمومی:[۳۴] میجر فلر کی ہدایت پر پنجاب کے مدارس کے لیے ۱۸۶۱ء میں لاہور سے ۱۳۴ صفحات پر شائع کیا گیا۔

تسہیل الکلام: اس کتاب کے مؤلف کپتان ہالرائیڈ ہیں۔ ۱۱۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب انگریزی سیکھنے والے طلباء کے لئے لکھی گئی جو ۱۸۶۱ء میں مطبع مصطفائی لاہور سے شائع ہوئی۔

تشہیر ظہوری / تشریح ظہوری: مولوی کریم الدین نے ملا ظہوری کی ''سہ نثر'' کی شرح اردو نثر میں لکھی ہے۔ ۱۱۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۸۶۱ء میں کپتان فلر ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن مدارس ممالک پنجاب کے حکم سے اور باہتمام پنڈت اجودھیا پرشاد مہتمم کے مطبع سرکاری میں شائع ہوئی۔

تواریخ ہند: فائدہ طلباء مدارس احاطہ پنجاب کے لیے حسب الحکم جناب کپتان فلر صاحب بہادر ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن ممالک پنجاب وغیرہ کے لئے لکھی گئی اور ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئی۔

جغرافیہ ہند (حصہ اول) :فائدہ طلبا مدارس احاطہ پنجاب کے لئے حسب الحکم کپتان فلر صاحب بہادر ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن ممالک پنجاب وغیرہ کے لئے لکھی گئی اور ۱۸۶۱ء میں مطبع سرکاری واقع لاہور سے شائع کی۔

مبادیٔ الحساب (حصہ اول و دوم): کپتان فلر کے حکم سے ۱۸۶۱ء میں مطبع سرکاری لاہور سے شائع ہوئی۔

شارع التعلیم: ۱۸۶۱ء میں یہ کتاب بھی کپتان فلر ناظم تعلیمات کے حکم پر لکھی گئی اور مطبع پنجابی لاہور سے شائع ہوئی۔ اس میں پرانے طرز تعلیم کے نقائص بتانے کے علاوہ لوگوں کو انعام اور ملازمت کا لالچ دے کر ترغیب دلائی گئی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو سکول میں داخل کروائیں نیز کتابوں کی مختصر فہرست بھی دی گئی ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کون کون سی کتابیں پہلے اور کس طریقہ پر پڑھانی چاہیں۔

منتخبات انوار سہیلی (اردو/ فارسی): ۱۰۵ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۸۶۱ء میں مطبع کوہ نور لاہور سے شائع ہوئی جس میں مولوی کریم الدین نے انوار سہیلی کے کچھ حصوں کا خلاصہ تحریر کیا ہے۔

جغرافیہ پنجاب: یہ جغرافیہ مولوی کریم الدین کا تحریر کردہ ہے جو انہوں نے میجر فلر کے کہنے پر لکھا اور لاہور سے بالترتیب چار مرتبہ ۱۸۶۱ء، ۱۸۶۳ء، ۱۸۶۴ء، ۱۸۶۵ء میں شائع ہوا۔[۳۵]

کریم اللغات: کریم اللغات فارسی لغت ہے۔اس کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں فارسی وعربی الفاظ کے معنی اردو میں بھی موجود ہیں۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ مدارس میں اردو کے ساتھ فارسی بھی لازمی مضمون کے طور پر پڑھائی جا رہی تھی۔ اسی لیے جب کتب کے مقابلے کی بات کی جاتی تو اس میں فارسی کتب کو بھی شامل کیا جاتا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اردو کے ساتھ فارسی تصنیف و تالیف کے سلسلہ کو ہنوز پسند کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کے ساتھ فارسی زبان و ادب کا سرمایہ بھی تخلیق ہوتا رہا۔ مولوی کریم الدین کی تالیف کردہ یہ لغت اسی کی ایک مثال ہے جو ۱۸۶۱ء میں تیار ہوئی اور ۱۸۶۲ء میں انارکلی پریس لاہور سے شائع ہوئی۔[۳۶] مولوی کریم الدین زبان کی لغت کے حوالے سے اہمیت اور مقصد تالیف بیان کرتے ہوئے اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> ''چونکہ حاصل ہونا کسی زبان کا بدون واقف ہونے صرف ونحو اور لغت کے ہو نہیں سکتا اور معنی زبان دانی کے بھی یہی ہیں کہ ان زبان کی لغت سے آشنائی تمام حاصل ہو، بلحاظ اس کے جو دیکھا جاتا ہے تو کوئی کتاب لغت کی مدارس پنجاب کے لڑکوں کے پاس ایسی نہیں ہے جس سے ولے خود معنی الفاظ نامعلوم نکال کر اپنی ترقی اس زبان میں پیدا کریں۔ اس لیے جناب میجر فولر صاحب بہادر ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن مدارس ممالک پنجاب نے مجھ کمترین کریم الدین کو جو صاحب ممدوح کے دفتر میں عہدہ سر رشتہ داری پر نامزد ہے ارشاد فرمایا کہ ایک ڈکشنری زبان فارسی کی ایسی طیار کر جس میں سب الفاظ ان کتابوں کے آجاویں جو سرکاری اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔''[۳۷]

چونکہ لغت میں فارسی اور عربی الفاظ کے معنی اردو میں بھی ہیں جو مدارس پنجاب کی درسی کتب میں مستعمل تھے۔ اس لحاظ سے کریم اللغات نہ صرف لاہور بلکہ پنجاب میں بھی اردو زبان کی ''پہلی لغت'' ہے۔[۳۸]

مفتاح القواعد: مولوی کریم الدین نے سدا سکھ لال کی انگریزی قواعد کا ترجمہ اردو نثر میں مفتاح القواعد کے نام سے ۱۸۶۲ء میں کیا۔

مفید الصبیان یعنی خرد افروز: یہ کتاب ۳۰۵ صفحات پر مشتمل بچوں کے لیے سبق آموز حکایات پر مبنی ہے جو کپتان فلر کے حکم پر لکھی گئی اور مطبع سرکاری لاہور سے ۱۸۶۲ء میں طبع ہوئی۔

قصہ دھرم سنگھ زمیندار:[۳۹] یہ درسی اور اخلاقی قصہ ناظم تعلیمات کپتان فلر کے حکم پر طلباء کے لئے لکھا گیا۔ دس صفحات پر مشتمل یہ مختصر قصہ اجودھیا پرشاد کے زیر اہتمام مطبع سرکاری لاہور سے ۱۸۶۲ء میں طبع ہوا۔

پند سود مند:[۴۰] ۱۸۶۲ء میں منشی محمد عظیم کے زیر اہتمام مطبع پنجابی لاہور سے شائع ہونے والی اس کتاب کے مصنف بھی مولوی کریم الدین ہیں۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں قدیم و جدید مصنفین کے ڈیڑھ سو مقولے نقل کیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں سو کے قریب وہ نصیحتیں بھی شامل ہیں جو حکیم لقمان نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ موضوع کی نوعیت ہی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نصاب تعلیم میں شامل تھی۔ مثال کے طور پر چند ضرب المثال ملاحظہ ہوں:

''اپنا رکھ، پرایا چٹ
انگلی پکڑتے ، پہنچا پکڑا
اپنی ران کھولے اور آپ ہی لاجوں مرے
اپنی گلی میں کتا بھی شیر ہے
اوچھے کی پیت، بابو کی بھیت
اوسوں (شبنم) پیاس نہیں بجھتی
احمد کی پگڑی محمود کے سر
ایک اور ایک گیارہ''[۴۱]

انشائے اردو: مولوی کریم الدین کی خطوط نویسی کے موضوع پر لکھی جانے والی یہ کتاب ۱۸۶۳ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔[۴۲] اس کتاب میں خط و کتابت سے متعلق ضروری اور مفید معلومات بیان کی گئی ہیں۔ مکتوب نگاری کے حوالے سے عمر، رشتے اور مرتبے کے لحاظ سے استعمال ہونے والے ایسے القاب و آداب درج کیے گئے ہیں جو اردو میں استعمال کیے جاتے ہیں مثلاً شیخ، سید، خان، مغل، منشی اور پنڈت وغیرہ۔ کتاب چار حصوں میں منقسم ہے پہلے حصے میں خط نویسی کے ایسے نمونے دیئے ہیں جو ہم عمر اور ہم مرتبہ لوگوں کے درمیان ہونی چاہیے۔ حصہ دوم میں عرائض نویسی کے نمونے دیئے ہیں۔ تیسرے حصے میں دفاتر اور عدالتوں کے لئے لکھے جانے والے خطوط کے نمونے خصوصی القاب و آداب کے ساتھ درج کیے ہیں جبکہ چوتھے حصے میں کاروباری خطوط کے نمونے دیئے گئے ہیں۔ تدریسی نقطہ نظر سے لکھی گئی اس نثری کتاب کا مقصد بچوں میں خط لکھنے کی صلاحیت پیدا کرنا تھا۔

زبدۃ الحساب: اجودھیا پرشاد نے علم حساب کا مکمل رسالہ تحریر کیا جو ۱۸۶۳ء میں لاہور سے شائع ہوا۔

تسہیل القواعد: مولوی کریم الدین نے اردو صرف ونحو کے موضوع پر یہ کتاب نئی طرز پر لکھی جو پنجاب کے مدرسوں میں نصاب کے طور پر رائج رہی۔ گارساں دتاسی کے خطبات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ۱۸۶۳ء میں چھپی۔

مفتاح الارض :[۴۳] مولوی کریم الدین نے میجر فلر ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم کے کہنے پر ۱۸۶۳ء میں ۱۳۲ صفحات پر مشتمل جغرافیہ کے موضوع پر یہ کتاب لکھی اور جو لاہور سے شائع ہوئی۔[۴۴]

مفتاح النعیم: ۱۸۶۴ء میں چھپنے والی اس کتاب میں اصول انشاء کے اندراج کے ساتھ خطوں کی مثالیں بھی دی ہیں۔ اس میں چھوٹے اور مختصر خطوط کے نمونے ایسے اسلوب میں دیئے گئے ہیں جو طوالت اور لفاظی سے پاک ہیں۔ یہی اس کتاب کا حسن ہے۔

تسہیل التعلیم: ڈاکٹر انجم رحمانی کے مطابق ابتدائی مدرسوں کے واسطے پہلی جماعت کے لیے مبتدیوں کی تعلیم کے لیے اردو کا سب سے پہلا قاعدہ جو پنجاب میں انگریزی اقتدار کی ابتداء کے بعد لکھا گیا جس کی اشاعت ۱۸۶۴ء میں ہوئی۔[۴۵] اسے کپتان فلر ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب کی ایما پر لکھا گیا اور مطبع سرکاری سے باہتمام بابو چندر ناتھ چھاپا گیا تھا۔ تسہیل التعلیم ایک باتصویر قاعدہ تھا جس میں مختلف عنوانات مثلاً گھوڑا، بیل، بھیڑ، بکری اور ہرن کے تحت مختلف بیانیہ اقتباسات کے علاوہ ایک حرفی، دو حرفی اور سہ حرفی الفاظ کے سبق بھی دیئے گئے۔ تصاویر کے ذریعے جدید طریقہ ہائے تدریس کو متعارف کرایا گیا۔ ڈاکٹر انجم رحمانی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں ''زبان دانی پر زور ہے مفردات سے مرکبات اور مرکبات سے جملے اور جملوں سے پیرے اور پیروں سے مضمون کی طرف بڑھنے کے منطقی طریقے سے تدریس کا اہتمام ہے۔''[۴۶]

آشوب نامہ: قصہ کی افادیت اس کی مقصدیت اور اس میں حقیقت یا واقعیت نگاری پر مبنی قصوں میں پہلا نام ''آشوب نامہ'' کا ہے جو ۱۸۶۴ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ اس میں دو بھائیوں بھگوان داس اور گوپال داس کے حال کو مختصر قصہ کی صورت میں تحریر کیا گیا ہے۔ یہ قصہ نایاب ہے اور باوجود کوشش کے دستیاب نہیں ہو پایا۔ لہذا مذکورہ چند ایک معلومات ہی مل سکی ہیں۔

قصہ پنجاب سنگھ: مذکورہ قصہ ۱۸۶۴ء میں مولوی کریم الدین نے کپتان فلر کی فرمائش پر تصنیف کیا۔ اس پر یہ عبارت تحریر ہے:

> ''حسب الحکم جناب کپتان فلر صاحب بہادر ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن ممالک پنجاب وغیرہ واسطے درس دہی طلباء پنجاب کے بجائے کتب وفادار سنگھ کے جس کا درس آئندہ سے موقوف ہوا۔ مولوی کریم الدین ڈپٹی انسپکٹر حلقہ لاہور نے تصنیف کیا۔ سند طباعت ۱۸۶۴ء مطبع سرکاری لاہور۔ صفحات ۵۲۔''[۴۷]

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ قصہ پنجاب کے اسکولوں میں بطور نصاب رائج ہوا کیونکہ ۱۸۶۴ء میں مولوی کریم الدین نے جو ''اردو زبان کے امتحان کا نصاب'' مرتب کیا اس میں یہ قصہ بھی شامل تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ میٹرک کے طلباء کے نصاب میں شامل تھا۔ قصہ اصلاح کے مقصد کو پورا کرتا ہے جس میں دو گہرے دوستوں دھیان سنگھ اور پنجاب سنگھ کا قصہ بیان کیا ہے۔ اس قصے کے ذریعے بچوں کو جہل، نافرمانی اور حرص سے بچنے کی اخلاقی تلقین پر مبنی سبق موجود ہیں تاکہ یہ خامیاں جو انسان کے لیے رنج کا باعث بنتی ہیں نہ بنیں۔ اس کے ساتھ حلم، خوش اخلاقی اور مروت جیسی خوبیوں کو اجاگر کیا گیا ہے کہ یہ خوشی کا موجب بنتی ہیں۔ لہٰذا اس قصہ کے ذریعے ان خوبیوں کو اختیار کرنے کی اخلاقی تلقین کی گئی ہے۔

مخزن طبعی:[۴۸] مولوی خواجہ ضیاء الدین خان[۴۹] جو علم طبعیات میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ میجر فلر ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب کی فرمائش پر اصول علم طبیعات کو دو حصوں میں بیان کیا۔ حصہ اول ۱۲۶ صفحات پر مشتمل ''اصول علم طبعی'' کے نام سے جبکہ حصہ دوم : ''مخزن طبعی'' ۱۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ جو ۱۸۶۴ء میں لاہور سے طبع ہوئے۔ گارساں دتاسی اپنے خطبہ ۵ دسمبر ۱۸۶۴ء میں اس کی

بابت لکھتا ہے:

''پنجاب کے ناظم سررشتہ تعلیمات نے مجھے ان ہندستانی کتابوں کی ایک فہرست بھیجی ہے جو ابھی حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔۔۔ان کتابوں میں لاہور میں حسب ذیل طبع ہوئی ہیں۔

ا۔ فلسفہ فطرت کے اصول پر ایک کتاب ''اصول علم طبیعی'' ہے اس کی دوسری جلد کا نام ''مخزن طبیعی'' ہے جس میں علم الطبیعات کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔''[۵۰]

اس سے ایک بات سامنے آتی ہے کہ دونوں کتابیں ۱۸۶۴ء میں شائع ہوئیں۔ اصول علم طبیعی میں علم جرثقیل اور علم ہئیت کا بیان ہوا ہے جبکہ دوسری جلد ''مخزن طبیعی'' علم ہوا، پانی، مناظر اور علم حرارت کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس کتاب سے اردو نثر کی وسعت اور ترقی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس خوبی سے اردو نثر سائنسی موضوعات مثلاً علم ہوا، پانی، مناظر اور علم حرارت کو بیان کرنے کے قابل ہو رہی تھی۔ مثال کے طور پر ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو:

''ارباب بصیرت پر ظاہر ہو کہ جن اجسام میں کشش اتصال اس قدر کم ہے کہ ان کے اجزاء بغیر محسوس ہوئے مزاحمت کے متحرک ہو سکتے ہیں ان کو سیال کہتے ہیں۔ اجسام سخت اور اجسام سیال میں بڑا فرق یہی ہے کہ اجسام سخت کے اجزاء کو کشش اتصال متصل اور پیوستہ رکھتی ہے۔''[۵۱]

جوہر عقل: یہ عزیز الدین خان کا تحریر کردہ قصہ ہے جو میجر فلر کی ہدایت پر پلگرمس پراگرس (Pilgrim's Progress) کے طرز پر اردو نثر میں لکھا گیا۔ قصہ کی عبارت نثر و نظم دونوں پر مشتمل ہے جو کہ تمثیل کی صورت میں پہلی بار مطبع پنجابی لاہور سے ۱۸۶۴ء میں طبع ہوا۔[۵۲] ''جوہر عقل'' میں سچ اور جھوٹ کو قصہ نگاری کے قالب میں پیش کیا گیا ہے۔ اس لیے یہ بھی ایک مقصدی اور اصلاحی تمثیلی کہانی ہے جو سلیس، سادہ اور رواں انداز بیان کی حامل ہے۔

نصیحت کا کرن پھول:[۵۳] مولانا محمد حسین آزاد کی یہ تصنیف محکمہ تعلیم سے وابستگی کا نتیجہ نظر آتی ہے۔[۵۴] جو تعلیم نسواں کی اہمیت اور اسے فروغ دینے کے لیے ۱۸۶۴ء میں لکھی گئی۔ اس سے قبل بھی ۱۸۶۱ء میں مولانا آزاد لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ''آئینہ صحت'' کے نام سے کتاب لکھ چکے تھے جو اس موضوع سے ان کی دلچسپی کی عکاس ہے۔ حکام وقت کی ایما پر تعلیم نسواں کی ترقی کی غرض سے یہ کتاب مولانا آزاد سے لکھوائی گئی تھی۔

''نصیحت کا کرن پھول'' کے قصہ کے پلاٹ میں تعلیم نسواں کی نسبت ایک میاں (مرزا شریف) اور اس کی بیوی کے درمیان ہونے والی دلچسپ گفتگو سے کہانی کا تار و پود بُنا دیا گیا ہے۔ تعلیمی نقطہ نظر سے رواں اردو نثر میں لڑکیوں کے پڑھنے کے لیے مفید اور عمدہ کتاب ہے۔ جس میں آسان اور سیدھے سادے فقرے، روزمرہ بول چال کے انداز میں تعلیم نسواں کی اہمیت ایک کہانی کی صورت میں بخوبی بیان کیا ہے۔ یہ بیانیہ انداز میں ایک سیدھا سادا قصہ ہے لیکن اس کا نتیجہ معنویت سے بھرپور ہے۔ بظاہر قصہ تمثیلی صورت میں آغاز سے اختتام تک چلتا رہتا ہے جس میں یکسانیت کی کیفیت بھی ملتی ہے لیکن اس قصے کی تمام تر خوبی اسکے موضوع اور انداز بیان پر منحصر ہے چونکہ اس زمانے میں ہندوستان بھر میں لڑکیوں کی پڑھائی کے لیے مناسب انتظام نہیں تھا۔ ۱۸۶۱ء میں بالخصوص تعلیم نسواں پر توجہ دی جانے لگی۔ اس لیے اس زمانے میں تعلیم نسواں کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے جو معلومات اس میں

دی گئی ہیں یقیناً قابل قدر ہیں۔ اس حوالے سے ریل کی ساخت، زمین کا جغرافیہ، جہازوں کی شکل، موتیوں کا دریاؤں سے نکلنا اور شادی بیاہ کی رسموں پر دلیل سے روشنی ڈالنا وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اس قصے کے ذریعے مولانا آزاد نے سماج میں موجود ناپسندیدہ خیالات مثلاً بیٹی کی پیدائش کو معیوب سمجھنا، لڑکے کو لڑکی پر ترجیح دینا، لڑکیوں کی تعلیم کی مخالفت کرنا؛ کم علمی اور جہالت کی وجہ سے تعویذ گنڈوں کو ہی تمام پریشانیوں کا حل سمجھنا وغیرہ کی اصلاح کی ہے۔ کہانی میں جہاں تعلیم نسواں کی اہمیت بیان ہوئی ہے وہاں پر مولانا آزاد نے انگریزی عملداری میں ہندوستان کو پہنچنے والے ثمرات کو بھی سراہا ہے جس کا ایک مقصد اس وقت انگریز سرکار کی خوشنودگی حاصل کرنا بھی تھا اور یہ خصوصیت تقریباً ہر درسی کتاب میں پائی جاتی تھی۔ قصہ کا موضوع اصلاحی ہے جس میں بنیادی طور پر مکتب کی سطح پر لڑکیوں کی تعلیم کی تبلیغ و اشاعت پر داستانوی انداز میں زور دیا گیا ہے۔ مرقع کشی مولانا آزاد کے اسلوب کا خاص وصف ہے جو اس کتاب میں بھی نمایاں ہے۔ ''پیکن یعنی تخت گاہ چین کا حال'' کی لفظی تصویر ملاحظہ ہو:

> ''بازار اور راستے سیدھے اور کشادہ بیچ میں نہر جاری ہے چوری چکاری کے بندوبست کے لیے حکم ہے کہ رات کو کوئی شخص بغیر روشنی کے نہ نکلے۔ شہر کے بیچوں بیچ میں ایک بڑا تالاب ہے اس کا طول ایک کوس اور عرض اس سے کچھ کم ہے بہت عمدہ اور خوبصورت بنا ہوا ہے۔ اس کے چاروں طرف بید مجنوں کے درخت ہیں۔ بیچوں بیچ میں ایک مندر نہایت خوشنما بنا ہوا ہے اور عمارت میں بڑی بڑی صنعتیں اور کاری گری کام میں لائے ہیں۔ سنہری، روپہلی اور رنگ آمیزی کی گلکاری سے جڑاؤ اور مرصع کاری کو مات کر دیا ہے۔''[۵۵]

اردو زبان کے امتحان کا نصاب: اسے کپتان فلر اور مولوی کریم الدین نے مرتب کیا اور ۱۸۶۴ء میں مطبع پنجابی سے شائع کیا۔ میٹرک کے طلبہ کے لیے لکھا گیا یہ نصاب حصہ نثر و نظم پر مبنی تھا۔ حصہ نثر ۶۸ صفحات پر مشتمل ہے جس کے مندرجات میں (۱) انتخاب قصہ پنجاب سنگھ (۲) انتخاب الف لیلہ (۳) انتخاب آثار الضادید جبکہ حصہ نظم ۶۲ صفحات پر ہے جس میں سودا، آتش اور ناسخ کے کلام سے انتخاب کیا گیا ہے۔

خط تقدیر: مولوی کریم الدین ڈپٹی انسپکٹر مدارس حلقہ لاہور نے ۱۸۶۴ء[۵۶] کے درمیان یہ قصہ نثر میں مخلوط بہ نظم کپتان فلر کے حکم پر تصنیف کیا اور مطبع سرکاری لاہور سے پہلی ۱۸۶۵ء میں شائع ہوا۔ اخلاقیات کے موضوع پر تحریر کیے گئے اس قصہ میں ناول اور تمثیل نگاری کے عناصر کو بروئے کار لایا گیا ہے۔ ''خط تقدیر'' ایسا ہی ایک اخلاقی قصہ ہے جو تمثیلی انداز لیے ہوئے ہے۔ اس میں ایسے واقعات ہیں جو قرین قیاس ہیں ان واقعات کے ذریعے یہ باور کرایا گیا ہے کہ تدبیر کے بغیر تقدیر کا لکھا ہوا پورا نہیں ہوتا۔ لہذا محض تقدیر پر بھروسا کر کے بیٹھ رہنا اور تدبیر نہ کرنا بہت بڑی حماقت ہے۔ جس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ برآمد نہیں ہوا۔ اگرچہ قصہ تمثیلی صورت میں طلباء کی اخلاقی تربیت اور ان کے شوق کو پیش نظر رکھتے ہوئے تصنیف کیا گیا لیکن درحقیقت اس نے لاہور میں اردو نثر میں تمثیل نگاری کی روایت کو تقویت دی۔

گیارہ ابواب پر مشتمل اس قصے کے ہر باب میں مختلف موضوعات بچپن کی تعلیم و تربیت، چال چلن، تدبیر سے لاچاری، تقدیر کا کارنامہ، فضول خرچی، علم کے فوائد، یورپ کے علم و ہنر کی برتری، ہندوستانیوں کی پسماندگی، انگریزی تعلیم کی اہمیت اور برتری، بے تعصبی، کفایت شعاری، عقل کی چالاکی وغیرہ کو مدنظر رکھ کر مستان شاہ کے ذریعے قصہ بیان کیا ہے۔ اور عقل، تقدیر، چترائی، خوشی،

تدبیر، دولت، خوبصورتی یا فیضان آمدنی، کفایت شعاری اور خرچ کو مجسّم بنا کر ان تمثیلی کرداروں کے ذریعے قصہ گوئی کی منازل طے کی ہیں۔ قصہ کے تمام کردار اپنے عمل سے اپنی پہچان اور وضاحت کرتے ہیں مثلاً یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''چترائی نے جھٹ پٹ بن بنا چوٹی کنگھی کر کپڑے بدل چھل چھلا اپنی شکل اور ہی بدل باتیا زتمام ٹھمک چال چل آہستہ آہستہ خراماں خراماں شادمان وفرحان اوس مستانہ کے پاس جا کر اوسکے کان کے پاس مونھ لگا کر چپکے سے یھ کہد یا کہ جس کے تم طالب دیدار ہو اور جسپر تم مفتون ہو اوس نے مجکو بھیجا ہے اور یہہ پیغام دیا ہے کہ اگر ہمکو تو حقیقت میں چاہتا ہے اور دل سے ہمارا شائق ہے اور سچا ہمارا عاشق ہے تو بھی تیرا امتحان ہے کہ عقل جو کوتوال جہان ہے اوس سے اپنا سب ماجرا جو تجھ پر گذرا ہو بیان کر ساری حقیقت کہول دہر بادشاہ اسملک کا بہت بڑا دانا اور رحیم ہے نہایت رعایا پرور مہربان اور کریم ہے کیا عجب ہے جو کوتوال تیری حقیقت حال وزیر تک پہنچا دے اور وزیر بادشاہ کیخدمت میں پوست کندہ عرض کرے اور سناوے اور بادشاہ کو تیری غربت اور کلفت پر رحم آوے پہر وزیر کو حکم ہو تو تیرا سب درد الم ہو پر یھ شرط ہے کہ ذرا تفاوت نکرنا ہو بہو سب قصہ جو تجھپر بیتا ہے یا اب گذر رہا ہے بے تامل ابتدا سے انتہا تک کھ سنانا آگے تیری تقدیر ہے یہی میرے اور تیرے ملنے کی تدبیر ہے یھ سنتے ہی مستان شاہ ہوشیار ہو گئے کہتا کہنے کو تیار ہو گئے باچھیں کہل گئیں سب کدورتین دلکی دہل گئیں۔''[۵۷]

تمیز اللغات: مولوی نیاز حسین کی تالیف کردہ اس لغت میں عربی کے مترادف الفاظ کے اردو معنی اس طرح دیئے گئے ہیں کہ الفاظ کا معنوی فرق واضح ہو گیا ہے۔ یہ لغت ۱۸۶۵ء میں لاہور سے کپتان فلر کے حکم سے طبع ہوئی۔[۵۸]

تکریم ظہوری: یہ کتاب مولوی کریم الدین کی تالیف کردہ ہے جو ۱۸۶۵ء میں کپتان فلر کے حکم سے طبع ہوئی۔ یہ تمیز اللغات مولّفہ مولوی نیاز حسین کے طرز کی لغت ہے جس میں مولوی کریم الدین نے ''نثر دوم ظہوری'' کی تشریح کی ہے اور درسی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اصل میں جو مترادف الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کے معنی کی بھی توضیح پیش کی ہے۔ اس کے سر ورق پر درج ذیل عبارت درج ہے۔

> ''حسب الحکم کپتان فولر صاحب بہادر ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن مدارس ممالک پنجاب وغیرہ کے مولوی کریم الدین ڈپٹی انسپکٹر مدارس حلقہ لاہور نے طالب علمان پنجاب کے واسطے ۱۸۶۵ء میں تصنیف کی اور باہتمام بابو چندر ناتھ متر کیوریٹر و مہتمم کے مطبع سرکاری میں طبع ہوئی''صفحات ۹۰۔[۵۹]

تحریر اقلیدس: یہ ۱۸۶۵ء میں مصنفہ بابو چندر ناتھ متر نے مدارس کے لیے لکھی۔[۶۰]

اردو کا قاعدہ:[۶۱] پنڈت رام دیال نے ۲۶ صفحات پر مشتمل اردو کا قاعدہ لکھا جو مطبع کوہ نور سے ۱۸۶۵ء میں شائع ہوا۔

اشارات التعلیم: ۱۸۶۶ء میں جب مولوی کریم الدین حلقہ لاہور کے ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے تو انہوں نے حسب منظوری گورنمنٹ پنجاب لاہور کے انسپکٹر مدارس سی ڈبلیو ڈبلیو الیگزینڈر کی انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ ''اشارات التعلیم'' کے نام سے کیا۔[۶۲] دراصل الیگزینڈر نے متعدد انگریزی کتب کی مدد سے ایک انتخاب کیا تھا۔ جس میں مرڈک اور ڈاکٹر اسٹو کی کتب سے زیادہ مدد لی گئی تھی۔ مولوی کریم الدین کا اردو ترجمہ ۲۸۹ صفحات پر مشتمل مطبع مطلع نور لاہور، سے چھپا۔

جغرافیہ ہند (حصہ دوم): واسطے طلباء مدارس احاطہ پنجاب کے حسب الحکم میجر فلر صاحب بہادر ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن ممالک پنجاب وغیرہ ۱۸۶۶ء مطبع سرکاری لاہور باہتمام بابو چندر ناتھ متر چھپا۔

تعلیم المبتدی کا سلسلہ اور اردو کی پہلی کتاب؛ [۶۳] اردو کی دوسری کتاب؛ اردو کی تیسری کتاب؛ اردو کی چوتھی کتاب:

مذکورہ کتب محمد حسین آزاد کی وہ باتصویر ریڈریں ہیں جو انہوں نے نومبتدیوں کے لیے میجر ہالرائیڈ کی ایما پر لکھیں۔ محمد حسین آزاد نے اردو نثر میں ان درسی کتابوں میں ادب اور سائنس کو ہم آہنگ کر دیا ہے۔ حیوانات اور نیچر کے موضوعات تاریخی اور جغرافیائی معلومات کو مشاہدے اور تجربے کی کارفرمائی سے صحیح معنوں میں ذہن کو بیدار کرنے کے ساتھ اخلاقی تلقین بھی کی ہے۔ مولانا آزاد سائنٹیفک طریقہ کار کو دلچسپ حکایاتی انداز سے ہم آہنگ کر کے تعلیم دینے کے قائل نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر اسلم فرخی کے مطابق انگریزوں کی تعلیمی پالیسی کا اندازہ بھی ان درسی کتب کے تعارفی نوٹ سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو ابتدائی اشاعتوں کے سرورق پر موجود تھا لیکن بعد کی اشاعتوں سے خارج کر دیا گیا مضمون نگار کے خیال میں اس دور میں تعلیمی نصب العین کے ساتھ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کس طرح درسی کتب کی وجہ سے اردو نثر میں موضوعات اور اسلوب میں نکھار اور بہتری آئی اور اسے فروغ ملنا شروع ہوا۔ جو مستقبل میں ادبی نثر کی بنیادیں استوار کرنے کا باعث بنا۔ یہ تعارفی نوٹ نہ صرف ان درسی کتب کی بلکہ عمومی لحاظ سے محکمہ تعلیم کے تصنیف و تالیف کے مطمعٔ نظر کو بھی واضح کرتا ہے:

> ''اردو کی پہلی دوسری تیسری کتابوں میں دو باتوں کا بڑا خیال رکھا ہے۔ اول تو عبارت ایسی ہو کہ لڑکے آسانی سے پڑھنے لگیں۔ دوسرے ابتداء میں ان چیزوں کا بیان ہو جو ہر وقت آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں اور بیان اس طرح ہو جس کے پڑھنے سے ان چیزوں کے باب میں سوچنے سمجھنے کی عادت پڑے تاکہ جب نئی چیزیں دیکھیں تو آگے غور کرنے کا رستہ دلوں میں پیدا ہو۔ اس طرح آہستہ آہستہ حیوانات، نباتات، معدنیات کا علم حاصل کریں۔ زراعت اور دنیا کے کاروبار کی مفید مفید باتیں معلوم ہوں اور قدرتی ظہور مثلاً صبح، شام، سورج، چاند، ہوا، ابر، مینہ، برف وغیرہ کے حالات روشن ہوں اور لڑکے سمجھنے لگیں کہ موسم کیوں بدلتے ہیں دن اور رات کیوں گھٹتے بڑھتے ہیں؟ بادل کیونکر بنتے ہیں؟ مینہ کیوں برستا ہے؟ ہوا کیوں چلتی ہے؟ اس کے علاوہ جو ملک نہیں دیکھے ان کے حالات آسان آسان بیانوں میں بتائے جائیں۔
>
> بیان کا ڈھنگ ایسا رکھا ہے جس سے لڑکوں کو راستی کی طرف توجہ ہو اور نیک اور پاکیزہ باتوں کی صحبت دل میں بیٹھے ان سب کتابوں میں بہت سی تصویریں ہیں کہ آپ اپنے بیان کی حالتیں دکھاتی ہیں۔ یورپ کا بچہ بچہ فقط تصویر کے دیکھنے سے بہت سی باتیں سمجھ جاتا ہے اور جو لوگ سفر نہیں کرتے وہ گھر بیٹھے تصویروں ہی سے ملکوں کی اصل کیفیت معلوم کر لیتے ہیں لیکن اکثر اہل ہند کو تصویر کی باریکیاں سمجھنی ایسی مشکل ہے جیسے غیر زبان کی کتابیں ایک بیل یا گھوڑے، کتے کا صاف صاف خاکہ کھینچا ہو تو فقط اتنا پہچان لیتے ہیں کہ یہ اس جانور کی تصویر ہے اگر وہ کسی جگہ کی تصویر ہو تو اتنا نہیں بتا سکتے کہ اس میں زمین کہاں ہے؟ پانی کہاں ہے؟ بادل کونسا ہے؟ پہاڑ کون سا ہے؟ کس کس قسم کے درخت ہیں؟ کیا یہ چیز پاس ہے؟ کیا دور ہے؟ جب یہاں بھی یورپ کی طرح بچوں میں تصویروں کا رواج

ہو جائے گا تو سب اس طرح سمجھنے لگیں گے اور اس کا لطف اٹھائیں گے۔ عبارت صاف اور صحیح پڑھنے کے واسطے ان باتوں کی رعایت رکھی ہے ایک ایک لفظ الگ الگ لکھا ہوا ہے۔ اپنے اپنے موقع پر وقف کی علامتیں دی ہیں۔ املا میں تمیز رکھی ہے لفظوں پر کہیں کہیں اعراب دیئے ہوئے ہیں مگر اعرابوں کے قاعدے ایسے باندھے ہیں کہ جہاں اعراب نہیں لکھے وہاں بھی سمجھ میں آتے ہیں گویا سارے حرفوں پر اعراب آ گئے ہیں۔''[۶۴]

اردو کی پہلی کتاب میں روزمرہ زندگی کے ایسے باتصویر مناظر اور ماحول کو پیش کیا گیا ہے جن سے ہم سب واقفیت رکھتے ہیں۔ نیز اس میں مانوس اشیاء کو متحرک صورت میں اس دلکش انداز سے بیان کیا ہے کہ ان اشیاء سے اجنبیت کا عنصر بالکل محسوس نہیں ہوتا۔

اردو کی دوسری کتاب مختصر سی ہے جس کے موضوعات جانور، درخت، وقت اور موسم ہیں جبکہ اردو کی تیسری کتاب میں دودھ پلانے والے جانور، پرندے، درخت کے موضوعات کے علاوہ تاریخی شخصیات، لطائف و حکایات مثلاً امیر ناصر الدین غزنوی، سلطان محمود غزنوی، ظہیر الدین بابر، انا کی جانثاری، پرتاپ کی بہادری وغیرہ کو بیان کیا ہے۔ اردو کی چوتھی کتاب کے موضوعات میں جانوروں کا بیان، پرندوں کا بیان، کیڑوں کا بیان اور درختوں کا بیان شامل ہیں۔

ان کتب میں بیان کردہ کہانی نما عبارتیں مختصر اور چھوٹے چھوٹے فقروں پر مشتمل ہیں۔ ان کتب کی اردو نثر میں قافیے کے استعمال سے آہنگ پیدا کرتے ہوئے سادہ اور سلیس انداز اختیار کیا گیا ہے۔ اردو کی پہلی کتاب کے سبق ''ماں کی محبت'' سے اردو نثر کا یہ اقتباس بطور نمونہ ملاحظہ ہو جس میں تمثیلی اور مصورانہ انداز بیان کی وجہ سے اثر آفرینی کا عنصر در آیا ہے:

''ماں بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے باپ حقہ پی رہا ہے اور دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ بچہ آنکھیں کھولے پڑا ہے۔ انگھوٹھا چوس رہا ہے۔ ماں محبت بھری نگاہوں سے اس کے منہ کو تک رہی ہے اور پیار سے کہتی ہے میری جان وہ دن کب آئے گا کہ میٹھی میٹھی باتیں کرے گا بڑا ہو گا۔ سہرا بندھے گا۔ دولہا بنے گا۔ دلہن بیاہ کر لائے گا۔ ہم بڈھے ہونگے تو کھائے گا آپ کھائے گا ہمیں کھلائے گا۔''[۶۵]

مولانا آزاد نے ان درسی کتب میں ادبی نثر کی وہ شان پیدا کی جو انہی سے مخصوص ہے۔ اردو نثر پر ان کا یہ احسان ہے۔ جس کی پیروی آگے چل کر اسماعیل میرٹھی اور مولوی ممتاز علی جیسے تعلیمی مصنفین نے کی اور بہترین درسی کتب، اردو کا پہلا قاعدہ، اردو کی پہلی کتاب، اردو کی دوسری کتاب، اردو کی تیسری کتاب، اردو کی چوتھی کتاب، اردو کی پانچویں کتاب کی صورت میں لکھیں۔

رسوم ہند:[۶۶] ۱۸۶۸ء میں چھپنے والی یہ تصنیف ۱۸۶۴ء میں میجر فلر ناظم تعلیمات پنجاب کے قائم کردہ کمیشن کی تالیفی خدمات کا نتیجہ ہے۔ سرڈی میکلوڈ (Sir D. Mecloed) کی سربراہی میں قائم ہونے والے اس کمیشن[۶۷] کا مقصد اردو زبان میں اعلیٰ درجے کی تصانیف تیار کروانا تھا۔ گارساں دتاسی کے خطبے دسمبر ۱۸۶۸ء سے پتہ چلتا ہے کہ ''رسوم ہند'' کی تالیف و ترتیب کا کام کمیشن کے زیر اہتمام ۱۸۶۴ء میں لاہور میں شروع ہوا۔ محکمہ تعلیم کی جانب سے مصنفین کو ہدایات ہوتی تھیں کہ وہ درسی کتب کے لیے سادہ، آسان اور رواں زبان استعمال کریں۔ اسلوب کا یہی معیار مذکورہ قصے میں بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ''رسوم ہند'' چونکہ ایک سے زیادہ مصنفین کی کاوشوں کا نتیجہ تھی اس لیے کسی کا نام مصنف کے طور پر نہیں دیا گیا۔ ویسے بھی جو کتابیں محکمہ تعلیم تیار کرواتا تھا ان پر

مصنف کا نام مرقوم کرنے یا نہ کرنے کا مکمل اختیار محکمہ تعلیم کی صوابدید پر منحصر تھا۔ درسی کتاب ہونے اور موضوع کے اعتبار سے اس کتاب نے بے پناہ مقبولیت حاصل کی اور متعدد بار شائع ہوئی۔ اس کا اندازہ ۱۸۸۶ء میں اس کی پندرھویں اشاعت سے ہوتا ہے جس کا حوالہ خلیل الرحمٰن داؤدی نے اپنے دیباچہ میں دیا ہے:[۶۸]

''رسوم ہند'' کے متن کے موضوعات پر توجہ دیں تو معلوم ہو گا کہ اس میں مشہور تاریخی قصے ہیں جن کا تعلق مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہب اور ان کی ذاتوں سے ہے۔ مزید برآں مسلمانوں اور ہندوؤں کے اسلاف کا احوال بیان کیا ہے۔ رسوم ہند کے یہ حصے دونوں مذاہب کے افراد کے لیے معلومات افزاء ہیں۔ جنہیں سلیس رواں مگر دلچسپ پیرا یہ بیان میں ادا کیا گیا ہے ۔ علاوہ ازیں جو تین قصے (''من سکھی اور سندر سنگھ''''خوشحال چند اور ہیرا۔دولت رام اور مونگا کروڑی ملاور گنگی کا قصہ''''جہاں آرا بیگم اور محمد یوسف' گیتی آرا بیگم اور محمد جمیل الدین کا قصہ'') ہیں وہ اردو نثر میں افسانہ نگاری کا نقطہ آغاز بھی ہیں۔ ان قصوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں رائج مذہبی، تاریخی، تمدنی رسوم کی روایاتی شرح نئے اسلوب اور منطقی استدلال کے ساتھ کہانی کے تاروپود میں بیان کی گئی ہے۔ پلاٹ، فنی شعور وتکنیک کا احساس، کردار نگاری اور مکالموں کی نفاست ان قصوں کی نمایاں خوبیاں ہیں۔

اُردو کی تیسری کتاب: یہ کتاب ماسٹر پیارے لال آشوب کیوریٹر سنٹرل بک ڈپو نے میجر ہالرائیڈ کے کہنے پر تصنیف کی اور پہلی بار ۱۸۶۸ء میں سرکاری مطبع لاہور سے شائع ہوئی۔ ماسٹر پیارے لال آشوب اعلیٰ درجے کے صاحب فہم، سخن شناس اور علم دان تھے۔ دہلی کالج میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے تھے۔ محکمہ تعلیم پنجاب نے ان کی علمی قدردانی کرتے ہوئے انہیں دہلی سے لاہور اپنے شعبہ تصنیف و تالیف سے وابستہ کر لیا اور ۱۸۶۸ء میں پنجاب بک ڈپو کے کیوریٹر کا عہدہ تفویض کیا۔ اردو کی تیسری کتاب، نصابی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو ۸۴ صفحات پر مشتمل ہے جس میں دلچسپ اور معلومات سے بھرپور تاریخی سبق، پہیلیاں، کہہ مکرنیاں، ڈھکوسلے، شعراء وحکماء اور علماء کے حالات و واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ پہلا سبق ''اردو زبان کی حقیقت'' کے بیان پر ہے اور دوسرا ''حکیم سقراط کا حال'' جبکہ تیسرا ''ارسطو کا حال'' پر مبنی ہے۔ معلوماتی مضامین میں ''فرانسس بیکن صاحب کا حال'' ''ذکر و المیک مصنف رامائن کا''، ''قطب صاحب کی لاٹھ''، ''مصر کی مثلث نما چوپہل میناروں کا بیان''، ''روضہ ممتاز محل''، ''چین کی دیوار اور نہر کا بیان''، ''انگلستان کا دارالخلافہ''، ''چینیوں کی رسم و رواج کا حال'' وغیرہ کے علاوہ ''دو کتوں کا قصہ'' بھی شامل ہے۔ جو قصہ سنڈفورڈ مزٹن سے لیا گیا ہے اور اس کے ذریعے اخلاقی سبق دیا ہے کہ جو اپنی زندگی کاہلی اور سستی میں کاٹتے ہیں ان سے ہمت اور دلیری کا بھروسا رکھنا محض خطا ہے جبکہ محنت اور تربیت سے ناچیز اور بے حقیقت بھی اکثر اچھی اور کام کی بن جاتی ہیں۔ گارساں دتاسی اسے کپتان ہالرائیڈ کی سرپرستی میں لکھی گئی ''قواعد اردو'' (۱۸۷۰ء) کے دوسرے ایڈیشن (۱۸۷۱ء) کے حصے قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

> ''کپتان ہالرائیڈ (Holroyd) کی تصانیف یا ان کی سرپرستی میں لکھی ہوئی کتابوں میں قواعد اردو'' قابل ذکر ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ابھی حال میں شائع ہوا ہے اور اس کے ۱۲۵۰ نسخے طبع کیے گئے ہیں۔ کتاب ہشت ورقی تقطیع کے ۱۲۴ صفحات پر مشتمل ہے اس کتاب کے دوسرے اور تیسرے حصے (اردو کی تیسری کتاب) میں ہندوستانی زبان کی تاریخ پر بحث کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس زبان میں کس قدر خوبیاں موجود ہیں اور اس کے لکھنے والوں کی طرز تحریر میں کس قدر فصاحت اور بلاغت پائی جاتی ہے۔ بعد ازاں اسی کتاب میں کچھ پہلیاں اور نسبتیں ہیں۔ بعض

نظمیں بھی ہیں۔ پھر پرندوں کے حالات انگریزی سے خواجہ ضیاء الدین نے ترجمہ کئے ہیں۔ سقراط، افلاطون، ارسطو، بیکن، نیوٹن، فارسی شاعر فردوسی اور سنسکرت کے شاعر والمیکی (مصنف نارائن) کی سوانح عمریاں ہیں۔ بعد ازاں (سر سید احمد خان) نے دہلی کے مشہور آثار قدیمہ پر سلسلہ مضامین لکھا ہے اور اسی طرح مصر کے اہرام اور چین کی دیوار اور چینیوں کے رسم و رواج پر بھی مضامین ہیں۔ نیز دیگر انتخابات ہیں۔''[۶۹]

گارساں دتاسی کے مذکورہ بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ''اردو کی تیسری کتاب'' مختلف ایڈیشن کی صورت میں شائع ہوتی رہی نیز اس میں پیارے لال آشوب کے ساتھ خواجہ ضیاء الدین کی ترجمہ کردہ تحریریں بھی اس کتاب کا حصہ بنیں۔ یوں ''اردو کی تیسری کتاب'' ''قواعد اردو'' میں اسی کے ایک حصہ کے طور پر اس میں بھی چھپی۔ واقعات کے بیان میں پیارے لال آشوب نے جس سادگی اور سلاست سے کام لیا ہے اس نے اردو نثر کو کس قدر شفاف اور شگفتہ بنا دیا ہے اس کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے۔

''احاطہ کی چار دیواری میں طاق بنی ہوئی ہیں اور چاروں طرف سنگ سرخ کا ایک ایک دروازہ ہے۔ بڑی دروازی پر جو روضہ میں جانی کا رستہ تھی۔ قرآن کی آیتیں کھدی ہوئی اور بیل بوٹی بنی ہوئی ہیں۔ اس دروازے میں سی کئی سیڑھیاں اتر کر باغ میں داخل ہوتی ہیں۔ یہ باغ بھی ایسا گلزار ہے کہ اس کی آرائیش کی ستائش نہیں ہوسکتی۔ اس کی خوشبو پودوں کی بہار اور میوہ دار درختوں کی قطار، اور روشوں کی تراش کا لطف کیا بیان کیا جائی! روشوں پر سنگ سرخ کا فرش اور بیچ میں سنگ مرمر کا ایک پاکیزہ حوض ہے حوض کی اندر فواری لگی ہیں اور اس کی گرد سرو کی درخت کھڑی ہیں۔۔۔ حوض سے آگی بڑھکر کئی سیڑھیاں چڑھکر ایک شطرنج نما چبوترہ پر پہنچتی ہیں۔ اور اس کی اوپر ۳۱۳ فیٹ مربع سنگ مرمر کا ایک اور چبوترہ دیکھتی ہیں۔ اس چبوتری دیوار میں ایک سنگ مرمر کا زینہ ہی۔ اور چاروں گوشوں پر ۳۱۳ فیٹ بلند چار مینار سرکشیدہ کھڑی ہیں اور اسی چبوتری کی بیچوں بیچ ۱۸۶ فیٹ مربع میں خاص روضہ کی عمارت ہی۔ روضہ کی سقف پر سنگ مرمر کا گنبد ۸۰ فیٹ اونچا چلا گیا ہی۔ اور اس کی چوٹی پر بشکل ہلال ایک طلائی کلس چمکتا ہی۔ بڑی گنبد کی گرد چار چھوٹی برج اور ہیں۔ اور ان سی اس کی زیبائش اور بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ اس روضہ کی مغربی اور مشرقی سمت میں نیچی کی چبوتری پر دو خوش قطع اور ہم شکل عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک مسجد ہی۔ اور دوسری اس کا جواب۔۔۔ گنبد کے اندر جا کر۔ درودیوار پر گلزار۔ بلکہ نگار خانہ کی بہار نظر آتی ہی۔ جابجا عقیق و یشب ولاجورد وغیرہ قیمتی پتھروں کی پھول نہایت خوش اسلوب بنائی ہیں۔ اور پھولوں کی پنکھڑیوں میں تیس تیس رنگ کی پتھر لگائی ہیں۔ اور پھر جوڑ اس خوبی سی ملائی ہیں کہ ناخن پھیرنی سی ان کی صفائی میں سرمو فرق نہیں معلوم ہوتا۔ ان پھولوں کی سوا دروں۔ اور محرابوں۔ اور دیواروں پر جگہہ جگہہ سنگ اسود کی پچی کاری سی قرآن شریف کی آیتیں کندہ ہیں۔ کہتی ہیں کہ اس مقبری میں اسیطرح پورا قرآن کھدا ہوا ہی۔ گنبد کی وسط میں سنگ مرمر کا ایک جالی دار کٹہرا لگا ہوا ہی۔ اور اس میں جہاں جالی نہیں ہی۔ وہاں وہی بیش بہا پتھروں کی عجب گلکاری ہی۔ ہر گل ایک مرقع اور کاریگر کی استادی کا نمونہ ہی۔''[۷۰]

اس نمونہ عبارت میں ''روضۂ ممتاز محل'' کی منظر کشی کرتے ہوئے جزئیات نگاری کے لیے لفظوں کا چناؤ قابل دید ہے۔ جس سے اس روضہ کی جیتی جاگتی تصویر نگاہوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ کتاب میں بعض الفاظ کی املا قدیم طریقے پر ہونے کے باوجود اسلوب کی شگفتگی ، دلاویزی، سلاست اور زبان کی شیرینی کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔

سُلّم الادب: یہ کہانیوں کا مجموعہ، نثر و نظم کے نمونہ پر مشتمل نصاب کی کتاب ہے جو عربی زبان کے امتحان کے لیے تھی۔ اس کا ترجمہ اور مشکل الفاظ کی تشریح اردو زبان میں کی گئی ہے۔ ہالرائیڈ کی مرتب کردہ یہ درسی کتاب ۱۸۶۹ء میں چھپی۔

مختصر تواریخ انگلستان: ۱۸۶۹ء میں کپتان ہالرائیڈ کے کہنے پر یہ تاریخ، پنجاب کے مدارس کے لیے لکھی گئی۔ ۳۹ صفحات پر مشتمل یہ کتاب درسی تقاضوں کے پیش نظر لکھی گئی۔ جس میں تاریخ کے موضوع اور تاریخی کتب کی اہمیت بیان کرتے ہوئے انگلستان کی تاریخ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہاں کے مقامی لوگوں کو انگریز حکمرانوں سے روشناس کرانا تھا کہ رعایا سے قربت کا ایک تعلق پیدا کیا جائے۔ تاریخ کی اس کتاب میں انگلستان کے پہلے راجہ اجبرٹ سے لیکر ملکہ وکٹوریہ تک کے عہد کا نہایت مختصر احوال بیان کیا گیا ہے اور جس میں انگلستان میں ہونے والی سیاسی، معاشرتی اور لسانی ترقی کا خاکہ بھی کھینچا گیا ہے۔ اسلوب بیان کی سادگی ، روانی اور فصاحت نے تاریخ جیسے موضوع کو دلچسپ بنا دیا ہے مثلاً تاریخ کے مطالعہ کی رغبت دلاتے ہوئے کس قدر دلاویز پیرایہ بیان اختیار کیا گیا ہے ملاحظہ ہو:

> ''تواریخ کی پڑھنی کا بہترین نتیجہ یہہ ہی۔ کہ مختلف قوموں اور بادشاہوں کی اصل حقیقت اور ان کی بڑھنی گھٹنی کی کیفیت اس علم کی وسیلی سی دریافت ہوتی ہی۔ اسکی سوا آدمی کو عقل آتی ہی اور طبعیت کو ایک طرح کی فرحت اور خوشی پیدا ہوتی ہی۔ دیکھو جس قوم یا شخص سی ہمکو کچھہ واقفیت ہو۔ اسکی تاریخ پڑھنی سی یہہ باتیں زیادہ تر حاصل ہوتی ہیں۔ مثلاً جو ہماری دوست ہیں یا کسی نوع کا تعلق ہم سی رکہتی ہیں۔ جب انکی کوئی بات ہماری کان میں پڑی گی۔ بیشک دل اسکی سنّی کو چاہی گا۔ خواہ اسمیں کچھ ہمارا مطلب ہو یا نہو علی ہذا القیاس جو اگلی راجا یا بادشاہ ہندوستان میں ہو گئی ہیں انکی قصّی اور واقعات سنّی کو سب چھوٹی بڑونکا جی چاہتا ہی یہاں سے ہم کو یقین ہی کہ تاریخ انگلستان (جس میں وقت کی حاکموں صاحبان انگریز کا مذکور ہی) ناظرین کو بہت مرغوب ہو گی۔ خصوص اسواسطی کہ یہہ قوم زمین کی ایک ایسی گوشہ دور درازسی آئی ہی۔ جسی اہل ہندنی کبھی بھی نہ سنا تھا۔''[۷۱]

قواعد اردو: خواجہ ضیاء الدین کی تالیف کردہ یہ کتاب ہالرائیڈ نے لکھوائی جو ۱۸۷۰ء میں شائع ہوئی۔[۷۲] اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۷۱ء میں شائع ہوا۔[۷۳]

اردو کی پہلی کتاب: ابتدائی جماعتوں کے لیے بنیادی کتاب ہے۔[۷۴] جو ۱۸۷۱ء میں مطبع سرکاری سے شائع ہوئی ۔۳۶ صفحات پر مشتمل کتاب جس میں کُل ۱۵ اسباق اور ۱۷ لطیفے ہیں۔ ابتداء میں اعراب کے ساتھ حروف تہجی سکھانے کے بعد دو حرفی لفظوں کے جملے بتائے گئے ہیں۔ جو سبق ۱ سے ۵ تک ہیں، سبق ۶ تا ۱۲ سہہ حرفی لفظوں کے جملوں پر، سبق ۱۳ تا ۱۷ چو حرفی لفظوں کے جملوں پر، سبق ۱۸ اور ۱۹ پانچ حروف کے لفظوں پر جبکہ سبق ۲۰ چھ حروف کے جملوں پر مبنی ہے۔ دو حرفی لفظوں کے جملے بنانے کی مشق اس طرح کرائی گئی ہے۔

''یارب! اس کی آس ہی۔ سب سچ ہی۔غم مت کر۔ مت ڈر۔ دِق مت کر۔ دل پرغم ہی۔ وہ بی پَر ہی۔دم مت دی۔غل مت کر۔دن کم ہی۔دم تو لو۔ ہم سی مت لڑ۔ دل سی سن۔ یہہ حق ہی۔ وہ بد ہی۔ پُل پر چل۔لب پر مت لا۔آہ مت کر۔ یہہ سن لو۔ وہ بدبو ہی۔''[۷۵]

لطائف کی صورت میں شگفتہ مزاح بھی کتاب کا حصہ ہے مثلاً یہ لطیفہ ملاحظہ ہو:

''اکبر نے بیربر سی پوچھا۔کہ لڑائی کی وقت کیا کام آتا ہی؟ بیربر نی کہا۔کہ جہاں پناہ، اوسان۔ بادشاہ نی کہا۔ ہتیار اور زور بھی تو کہہ۔ بیربر نی کہا۔کہ جہاں پناہ! اگر اوسان ہی خطا ہو جائی تو ہتیار اور زور کس کام آئی گا۔''[۷۶]

قصص ہند (حصہ اول): ''قصص ہند'' (حصہ اول) کا سن تصنیف معلوم نہیں ہو سکا لیکن یہ پہلے پہل حصہ دوم کے ساتھ ۱۸۷۲ء میں سرکاری مطبع لاہور سے شائع ہوئی۔[۷۷] جس کا تذکرہ پنجاب گورنمنٹ گزٹ ۱۲ ستمبر ۱۸۷۲ء کی قابل فروخت کتب میں بھی ملتا ہے۔ بعدازاں اس کی متعدد اشاعتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ بھی ایک مقبول نصابی کتاب کا درجہ رکھتی تھی۔''قصص ہند (حصہ اول)'' دیسی زبانوں کے مدارس کی چوتھی جماعت کے نصاب میں شامل تھی۔''قصص ہند'' (حصہ اول) کی ابتداء میں قدیم ہندوستان کے سرسری تذکرہ کے ساتھ رام چندر جی، کورو، پانڈو اور سکندر اعظم یونانی کا نسبتاً تفصیلی ذکر کیا ہے۔ ابتدائی چند صفحات پر تاریخ ہند کا خلاصہ اس عمدگی اور دلچسپی سے بیان کیا گیا ہے کہ مبتدی اور منتہی دونوں کے لیے یکساں دلچسپی کا عنصر موجود ہے۔ تاریخی واقعات کا بیان، داستانوی طرز پر اس طرح کیا گیا ہے گویا ہم ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ جس میں تحیر و تجسس کا عنصر بدستور موجود رہتا ہے۔

''اگلے زمانے میں شہر دہلی سے ساٹھ میل کے فاصلے پر شمال مشرق کی جانب گنگا کے کنارے ایک شہر ہستناپور آباد تھا اور وہاں چندر بنسی خاندان کے راجہ راج کرتے تھے۔''[۷۸]

''ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کوئی سوداگر ایک نادر گھوڑا فیلقوس کے پاس لایا اور ۲۵ ہزار روپیہ اس کا مول کیا۔ بادشاہ سکندر اور اپنے سرداروں کو ساتھ لے کر گھوڑے کے امتحان کے واسطے میدان میں گیا۔''[۷۹]

قصص ہند (حصہ دوم): ''قصص ہند'' تاریخ سے متعلق کہانیوں اور اہم واقعات و مشاہیر کے تفصیلی حالات سے متعلق لکھی جانے والی نصابی کتب میں سے ایک تھی۔''قصص ہند'' ۱۸۷۲ء میں شائع ہوئی۔[۸۰]

قصص ہند کی دوسری اشاعت یعنی ۱۸۷۳ء پر''انڈین میل'' بتاریخ ۳ فروری ۱۸۷۳ء میں اس پر تبصرہ شائع کیا جسے گارساں دتاسی نے بنیاد بنا کر اپنے مقالہ''ہندوستانی زبان و ادب ۱۸۷۳ء میں'' میں لکھا ہے کہ''لاہور کالج کے مولوی محمد حسین آزاد نے محکمہ تعلیمات پنجاب کی سرپرستی میں قصص ہند کا دوسرا حصہ پیش کیا ہے جس میں اہم ترین شخصیتوں کے حالات حکایات کے طور پر بیان کیے ہیں اور شستہ پیرائے میں سچی اور بہت اچھی اردو میں قلمبند کیے ہیں۔[۸۱] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۷۳ء میں جو اشاعت ہوئی ہو گی اس پر آزاد کا نام ضرور درج ہو گا کیونکہ اس کے بغیر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ''مولوی محمد حسین نے محکمہ تعلیمات کی سرپرستی میں قصص ہند کا دوسرا حصہ پیش کیا''مضمون نگار کی دسترس میں ۱۸۷۳ء کی اشاعت نہیں آ سکی لیکن دتاسی کے مذکورہ بیان سے تصدیق ہوتی ہے کہ اس اشاعت پر آزاد کا نام درج تھا۔۱۸۷۲ء، ۱۸۷۳ء کے تذکرہ کے ساتھ ۱۸۷۸ء کی نویں اشاعت مضمون نگار کو میسر

آئی جس پر مولانا محمد حسین آزاد کا نام درج ہے اس کی لوح کی عبارت اس طرح ہے:

قصص ہند

حصہ دوم

مرتبہ مولوی محمد حسین صاحب پروفیسر عربی لاہور

حسب الحکم

جناب میجر ہالرائیڈ صاحب بہادر ڈائریکٹر

مدارس ممالک پنجاب وغیرہ

لاہور کے سرکاری مطبع میں ماسٹر پیارے لال کیوریٹر کے

زیر اہتمام سے چھپی

۱۸۷۸ء

اس سررشتہ کی بے اجازت کوئی نہ چھاپے۔''[۸۲]

مضمون نگار کے مطابق غالباً یہی عبارت ''قصص ہند'' کے دوسرے ایڈیشن (۱۸۷۳ء) پر ہو گی اور ابتدائی اشاعت پر آزاد کا نام نہ ہونے کی وجہ یہ رہی ہو گی کہ چونکہ درسی کتب محکمہ تعلیم کی ملکیت تصور کی جاتی تھیں نیز محکمہ اس میں ضروری تغیر و تبدل کرنے کا بھی مجاز تھا اس لیے یہ محکمہ کی صوابدید پر تھا کہ وہ ان کتب کو جس طرح مرضی چھاپیں۔ قصص ہند (حصہ دوم) محکمہ تعلیم کے لیے لکھی جانے والی کتب میں خاص اہمیت کی حامل تھی۔ جس میں غزنوی سلطنت کی ابتداء سے نادر شاہ کے حملے تک کے معدودے چند بادشاہوں کے کارنامے اور تاریخ کو قصے کہانی کی صورت میں بیان کیا ہے۔ ہر چند کتاب کا مقصد نوعمر طلباء کو اہم تاریخی مشاہیر سے روشناس کرانا تھا لیکن اس کے اسلوب کی دلکشی، سادگی اور پرکاری نے اسے دلچسپ ادبی نثر کی کتابوں میں صف اول میں لا کھڑا کیا ہے۔ آزاد نے ''قصص ہند'' طالب علموں کے لیے لکھی اور بحیثیت مدرس کے وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ وہ کون سا طریقہ کار ہو سکتا ہے جس کے ذریعے نوعمر طالب علم اردو نثر میں پورے ذوق و شوق کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ دلچسپ سے کر سکتے ہیں۔ تاریخ جیسے خشک موضوع میں تاریخی شخصیات کی مرقع کشی اور واقعات میں تخیل اور محاکات کی گنجائش پیدا کر کے آزاد نے ''قصص ہند'' کی صورت میں ایک فلم چلا دی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آزاد محض واقعات کے مجموعہ کو تاریخ نہیں سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے تاریخ نویسی کا ایک نیا معیار مقرر کیا جس میں تحقیق، تجسس اور تنقیدی سے زیادہ جذباتی ردعمل بھی دکھائی دیتا ہے۔ جس سے تاریخی حقائق کے بیان میں شعریت کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ آزاد کی کامیابی بھی ہے اور انفرادیت بھی جس میں ان کا کوئی حریف نہیں۔ ''قصص ہند'' میں داستانوی طرز انداز اپناتے ہوئے استعارے کے استعمال سے منظر نگاری میں بڑی بے ساختگی اور برجستگی کے ساتھ دلکشی و دلاویزی کا عنصر کس خوبصورتی سے پیدا کیا ہے ملاحظہ ہو:

> ''عمارت کی شان و شوکت دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں۔ ستونوں پر گنبدی چھت۔ بیضۂ عنقا کی طرح دھری تھی کہ ہر ستون ایک ڈال سنگ مرمر کا تراشا ہوا تھا اور سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصع تھا۔ پچی کاری کی گل کاری چین کے نقش و نگار مٹاتی تھی اور کندن کی ڈلک ستاروں پر آنکھ مارتی تھی۔ بیچوں بیچ میں ایک جڑاؤ زنجیر لٹکتی تھی۔ اس میں سونے کا چراغ دن رات دھڑ دھڑ جلتا تھا۔ خدا جانے کن وقتوں سے اسی طرح روشن چلا آتا تھا۔ جس کی قسمت میں

آج کے دن اس آندھی سے گل ہونا لکھا تھا۔''[۸۳]

تاریخ انگلستان: ماسٹر پیارے لال آشوب نے ''تاریخ انگلستان کلاں'' کے نام سے انگریزی سے اردو نثری ترجمہ کیا۔ کتاب کے دو حصے ہیں: حصہ اول میں اہل روما کے حملے سے ملکہ الزبتھ کے زمانے تک کے حالات درج ہیں اور یہ حصہ ۴۴۸ صفحات پر مشتمل ہے؛ جبکہ حصہ دوم میں خاندان اسٹولرٹ سے ملکہ وکٹوریہ تک کی سلطنتوں کے حالات مرقوم ہیں، یہ حصہ ۳۴۴ صفحات کی ضخامت رکھتا ہے۔ ماسٹر پیارے لال آشوب دہلی کالج کے علمی و ادبی ماحول کے پروردہ، انگریزی زبان پر عبور رکھتے تھے۔ لاہور آ کر محکمہ تعلیم سے منسلک ہوئے اور علمی و ادبی خدمات انجام دیں۔ ماسٹر پیارے لال آشوب جب پنجاب بک ڈپو کے کیوریٹر کے عہدے پر فائز ہوئے تو اس ملازمت کے دوران کرنل ہالرائیڈ کی زیرنگرانی انگریزی کتب کا اردو ترجمہ کیا۔ انہی میں سے ایک کتاب ''تاریخ انگلستاں کلاں'' تھی جو پہلی بار ۱۸۷۲ء میں طبع ہوئی اس کے دستیاب ایڈیشن کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے:

> ''لالہ پیارے لال صاحب کیوریٹر گورنمنٹ سنٹرل بک ڈپو نے انگریزی سے ترجمہ کیا۔ حسب الحکم میجر ہالرائڈ ڈائرکٹر مدارس ممالک پنجاب مطبع سرکاری لاہور میں سنہ ۱۸۷۹ء میں چھاپی۔''[۸۴]

کتابی صورت سے قبل یہ تاریخ قسط وار ماہوار رسالہ ''اتالیق پنجاب'' میں چھپتی رہی۔[۸۵] اس اعتبار سے مارچ ۱۸۷۰ء کا پرچہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے جس میں تاریخ انگلستان کا کچھ حصہ درج ہے۔ ''اتالیق پنجاب'' وہ ماہوار رسالہ تھا جو ''سرکاری اخبار'' کی جگہ یکم فروری ۱۸۷۰ء کو شائع ہوا۔ تاریخی، علمی، معلوماتی مضامین سے مزین یہ رسالہ پیارے لال آشوب ہی کی زیر ادارت شائع ہوتا رہا۔ ''تاریخ انگلستان کلاں'' میں انگریزی تہذیب و تمدن کو پرلطف انداز میں اس طرح پیش کیا ہے کہ معلومات کے اس ذخیرہ میں دلچسپی کا عنصر قائم رہتا ہے۔ قصہ کہانی کا طرز انداز اختیار کرتے ہوئے انگلستان کے مذہب، مختلف بادشاہوں کے طرز حکومت اور ان کے عہد سے متعلق دلچسپ معلومات، طبقاتی تقسیم، مختلف تعزیرات نیز عدل و انصاف، حصول علم کے شوق، مشاغل اور مختلف تہواروں کا ذکر کرتے ہوئے انگریزوں کے بہت سے روشن اور تاریک پہلو واضح کیے گئے ہیں۔ پیارے لال آشوب نے یہ ترجمہ رواں، سلیس اور شستہ انداز میں اس طرز سے کیا ہے کہ کہیں بھی گمان نہیں گذرتا کہ یہ ترجمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ دلی کی جیتی جاگتی زبان کو اس میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جس نے لاہور میں اردو نثر کو الفاظ، انداز اور لہجے کے حوالے سے رونق بخشی۔ تاریخی مواد اور زبان و بیان کے حوالے سے اس کتاب کا مقابلہ کسی بھی معیاری تاریخی کتاب سے کیا جا سکتا ہے۔

تاریخ کے موضوع پر مبنی اس کتاب میں علمی اسلوب کا سیدھا سادا مگر دلچسپ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے نصف دوم میں اردو نثر میں خالص علمی اور تاریخی موضوعات کو ہلکے پھلکے دلچسپ انداز میں بیان کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی۔ جس کی عملی صورت اس ترجمہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ تاریخ نگاری کے موضوع پر مبنی یہ ترجمہ جس انداز سے کیا گیا ہے اس سے گمان گذرتا ہے کہ یہ کتاب بھی طلباء کے نصاب کے لیے لکھی گئی ہو گی جس کا مقصد یہاں کے لوگوں کو انگریزی تاریخ و تہذیب سے روشناس کرانا اور حاکم و محکوم کی اجنبیت کو کم کرنا تھا۔ اس بات کی سند اس حوالے سے بھی ملتی ہے کہ:

> ''پیارے لال آشوب جو دہلی کے نارمل سکول کے پرنسپل ہیں سرکاری طور پر اردو میں انگلستان کی تاریخ لکھ رہے ہیں یہ تاریخ

Student Theme کی وضع اور طرز پر ہو گی۔ جسے کلکتہ یونیورسٹی کے نصاب میں شامل کر لیا گیا ہے۔''[۸۶] اس بیان سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ ''تاریخ انگلستان کلاں'' طلباء کے نصاب کی تیاری کا ایک حصہ تھی وہیں یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ ماسٹر پیارے لال آشوب یہ تاریخ اس وقت تحریر کر رہے تھے جب وہ دہلی نارمل سکول میں پرنسپل تھے اور یہ فریضہ وہ ۱۸۶۴ء میں لاہور آنے سے قبل سرانجام دے رہے تھے۔ جبکہ ماسٹر پیارے لال آشوب کا یہ ترجمہ ماہوار رسالہ ''اتالیق پنجاب'' یکم جنوری ۱۸۷۰ء کے پرچہ سے بالاقساط شائع ہوتا رہا اور پہلی بار کتابی صورت میں ۱۸۷۲ء میں چھپا۔ اس سے مضمون نگار نتیجہ اخذ کرتی ہے کہ ''تاریخ انگلستان کلاں'' چونکہ ایک ضخیم تاریخ ہے اس لیے یہ ممکن ہے کہ وہ لاہور آنے سے پہلے ہی اس کے ترجمہ کا آغاز کر چکے تھے۔ پنجاب بک ڈپو اور لاہور کی علمی و ادبی فضا ہی کا اثر تھا کہ تاریخ کی یہ کتاب جلد مکمل ہو کر منظر عام پر آئی اور اردو نثر کو پھلنے پھولنے میں مدد دی۔

مبادی علم جیولوجی: مولانا الطاف حسین حالؔی نے ۱۸۷۲ء میں قیام لاہور کے دوران ایک عربی کتاب کا اردو ترجمہ ''مبادی علم جیولوجی'' کے نام سے کیا جو ۱۳۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں علم جیولوجی کی تعریف و تشریح اور اس علم کے ارتقا کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی بابت حالی لکھتے ہیں:

> ''لاہور میں ایک عربی کتاب کا جو جیولوجی میں تھی اور جو فرنچ سے عربی میں کسی مصری فاضل نے ترجمہ کی تھی اردو ترجمہ کیا اور اس کا کاپی رائٹ (حق تصنیف) بغیر کسی معاوضے کے پنجاب یونیورسٹی کو دے دیا، چنانچہ ڈاکٹر لائٹنر کے زمانے میں اس کو یونیورسٹی نے چھاپ کر شائع کر دیا۔''[۸۷]

جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے کہ اس میں زمین کی تاریخ اور اس کا آغاز، دنیا کا ازلی ہونا یا نہ ہونا جیسے مباحث کا بیان کیا گیا ہے اور دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ زمین پر انسانی وجود کچھ بہت مدت سے نہیں ہے اور نہ ہی کوئی چیز کرہ ارض پر ازلی وجود کی حامل ہے۔ نمونہ عبارت ملاحظہ ہو:

> ''اس دور کا زمانہ ضرور ہے کہ نہایت طویل ہوتا کہ پرت تھوڑا تھوڑا منجمد ہو کر بالکل سخت ہو جائے اور اس طرح داخلی حرارت کا نفوذ اس کے سبب سے بتدریج کم ہوتے ہوئے بالکل مسدود ہو جائے اور وہ وقت آن پہنچے کہ بالکل بخارات متصاعدہ خفت حرارت کے سب پگھل پگھل کر اور سطح زمین پر مجتمع ہو ہو کر بڑے بڑے یا چھوٹے چھوٹے دریا اور حوض بن جائیں۔''[۸۸]

اخلاق باری: [۸۹]شیو دیال سنگھ کی تحریر کردہ یہ کتاب اردو میں انگریزی زبان کی مفصل گرائمر ہے۔ پنجابی مورخہ ۲۱ دسمبر ۱۸۷۲ء میں اس کا تعارف کرایا گیا ہے۔

سخندان فارس: یہ مولانا محمد حسین آزاد کا لسانی مسائل پر متفرق مقالات کا مجموعہ ہے جو دو حصوں پر مشتمل ہے۔ مولانا آزاد نے ۱۸۷۲ء اور ۱۸۷۴ء میں فارسی زبان و ادب کے موضوع پر لیکچر دیئے اور سخندان فارس وجود میں آئی۔ حصہ اول ۱۸۷۲ء میں طبع ہوا جس میں دو لیکچر ہیں جن میں بہت سی مثالیں دے کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ سنسکرت اور قدیم فارسی ایک ہی قدیم زبان کی بدلی ہوئی شکلیں ہیں۔ یوں پہلی بار اردو نثر میں لسانی حوالے سے علمی لیکچروں کا آغاز بھی محمد حسین آزاد نے کیا۔

نگارستان فارس: ایران اور ہندوستان کے فارسی شعراء رودکی سے لے کر واقف بٹالوی تک کا تذکرہ ہے جس میں ان کے حالات زندگی اور کلام کے نمونے درج ہیں۔ ڈاکٹر اسلم فرخی بتاتے ہیں کہ آغا محمد طاہر کے مطابق یہ کتاب ''آب حیات'' کے ساتھ ساتھ لکھی گئی تھی اور اس کا زمانہ تصنیف ۱۸۷۲ء سے پہلے کا ہے۔ لیکن اس دور میں شائع ہو کر منظر عام پر نہ آ سکی۔ ۱۹۲۲ء میں اس کی اشاعت ہوئی۔ چونکہ ''نگارستان فارس'' انیسویں صدی کے نصف دوم کی نثر سے تعلق رکھتی ہے اس لیے اس عہد میں اس کی اہمیت ضرور بنتی ہے۔ جس میں فارسی شعرا کے تذکرہ کو ادبی تاریخ کا رنگ دینے کی کوشش کی ہے۔

مضمون نگار کا استدلال ہے کہ تذکرہ اور تاریخ کے حوالے سے آزاد کی تمام تر صلاحیتیں چونکہ ''آب حیات'' پر مرکوز تھیں اس لیے ممکن ہے کہ اس تذکرہ پر توجہ نہ دے سکے۔ پھر اس تصنیف کا محرک نصابی بھی ہو سکتا ہے جس کا تذکرہ آزاد نے اپنے ایک خط میں کیا ہے:

> ''مجھے ایک اور مشکل پیش آئی۔ صاحب پرنسپل ٹریننگ کالج نے مجھے فرمایا کہ آب حیات اور نیرنگ خیال کو ہم نے اپنے کالج اور نارمل اسکولوں کی پڑھائی میں بھی داخل کر دیا ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ جس طرح اس میں تاریخ زبان اردو کی آپ نے لکھی ہے ایسی ہی تاریخ اور تحقیق زبان فارسی کی ہو کہ اسے فارسی کے کورس میں داخل کر دیں۔''[۹۰]

مخزن حکمت: مفتی غلام سرور لاہوری کہ یہ کتاب تین حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ زمانہ سلف کے حکماء کے مختصر سوانح اور ان کے اقوال پر مشتمل ہے، دوسرا حصہ ظہور اسلام کے بعد کے حکماء اور ان کے اقوال پر مشتمل ہے جبکہ تیسرے حصہ میں بعض بادشاہوں کے حالات اور ان کے اقوال کی صورت میں حکایات اور پندونصائح درج کیے گئے ہیں جو طلبہ کے لیے بہت مفید ہیں۔ یہ کتاب ۱۸۷۳ء میں طبع ہوئی۔

طب رحیم: ۱۸۷۳ء میں ڈاکٹر رحیم خان نے اردو نثر میں طب کے موضوع پر یہ کتاب لکھی[۹۱] جو لاہور کے میڈیکل کالج میں داخلِ نصاب ہوئی۔ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے میں علم طب پر سائنٹفک بحث کی گئی ہے جبکہ دوسرے حصے میں بیماریوں کے اسباب و علامات اور ان کا علاج بیان کیا گیا ہے جو انگلستان میں کیا جاتا ہے۔ نیز اس کتاب پر اخبار پنجابی نے اپنی ۱۷ جنوری ۱۸۷۴ء کی اشاعت میں تبصرہ بھی شائع کیا۔

نیرنگ خیال: مولانا محمد حسین آزاد نے تمثیلی قصے ''نیرنگ خیال'' کے نام سے ۱۸۷۴ء کے لگ بھگ تصنیف کیے۔ جو دو حصوں پر مشتمل ہیں۔ پہلا حصہ ۱۸۸۰ء میں چھپا۔ جس میں دیباچہ ''ایک ابتدائیہ اور آٹھ مضامین شامل ہیں جبکہ حصہ دوم[۹۲] میں پانچ مضامین ہیں۔ ڈاکٹر محمد صادق کے بقول ''مولوی خلیل الرحمٰن کے مطابق اس کے حصہ اول کے مضامین انجمن پنجاب کی نشستوں میں پڑھے گئے[۹۳] جو مضامین انجمن میں پڑھے جاتے تھے وہ ''رسالہ'' انجمن مفید عام، قصور میں چھپتے تھے۔ اس حوالے سے رسالہ انجمن مفید عام قصور کے مئی ۱۸۷۵ء، جولائی ۱۸۷۶ء اور جون ۱۸۷۷ء کے شمارے دیکھے جا سکتے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ ''نیرنگ خیال'' کے مضامین ''انجمن پنجاب'' میں پڑھے گئے۔ ''نیرنگ خیال'' بطور نصاب امتحان، یونیورسٹی میں داخل رہی۔ نیرنگ خیال جس کی حیثیت قصہ سے زیادہ مضامین کی ہے۔ اس کے حصہ اول و دوم کے مضامین میں ''آغاز آفرینش میں باغ عالم کا کیا رنگ تھا اور رفتہ رفتہ کیا ہو گیا؟''، ''سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ''، ''گلشن امید کی بہار''، ''سیر زندگی''، ''انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا''، ''علوم

کی بدنصیبی''، ''علمیت اور ذکاوت کے مقابلے''، ''جنت الحمقا'' ''خوش طبعی''، ''نکتہ چینی''، ''مرقع خوش بیانی''، ''سیر عدم'' اور ''شہرت عام اور بقائے دوام کا دربار'' شامل ہیں۔ ان مضامین میں انسانی خصائل کو مشخص کیا گیا ہے۔ تمام مضامین رمزیہ اور تمثیلی انداز میں لکھے گئے ہیں جو اخلاق کی کسی نہ کسی قدر کو پیش کرتے ہیں۔ تقریباً ہر مضمون میں قصہ پن موجود ہے جس سے افسانوی رنگ پیدا ہو گیا ہے۔ مثلاً ''سیر زندگی'' کا آغاز اسطرح سے کرتے ہیں۔

''ایک حکیم کا قول ہے کہ ''زندگی ایک عطیہ ہے'' اور اس عالم میں جو رنگا رنگ کی حالتیں ہم پر گذرتی ہیں یہی اس کے تماشے ہیں۔ لڑکپن کے عالم کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھے تو جوان ہوئے اور پختہ سال انسان ہوئے۔ اس سے بڑھ کر بڑھاپا دیکھا اور حق پوچھو تو تمام عمر انسانی کا عطر وہی ہے۔''[۹۴]

جہاں بانو بیگم نقوی ''تاریخ ادب اردو'' کے حوالے سے اپنا خیال ظاہر کرتی ہیں کہ اس تصنیف کی ''ترغیب ڈاکٹر لائٹنر نے دلائی تھی۔''[۹۵] ڈاکٹر محمد صادق اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے مطابق ''نیرنگ خیال'' جانسن، ایڈیسن اور اسٹیل کے انگریزی مضامین سے اخذ و ترجمہ کا نتیجہ ہیں۔[۹۶] جو درست بھی ہے کیونکہ یہ مضامین ایڈیسن کے نیم افسانوی انداز اور جانسن کے بلند آہنگ اسلوب بیان کا کامیاب امتزاج ہیں۔ ڈاکٹر محمد صادق نے سب سے پہلے انگریزی تمثیلی انشائیوں اور ان کے مآخذ کو مدمقابل پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ تمام مضامین انگریزی سے ترجمہ کیے گئے ہیں۔[۹۷] ''نیرنگ خیال'' میں خود مولانا آزاد کا یہ اعتراف اس پر مہر ثبت کرتا ہے کہ ''میں نے انگریزی انشا پردازوں کے خیالات سے اکثر چراغ شوق روشن کیا ہے۔''[۹۸] مزید یہ کہا کہ ''زبان انگریزی بھی مضامین عاشقانہ، قصہ و افسانہ اور مضامین خیالی سے مالامال ہے مگر کچھ اور ڈھنگ سے اس کا اصل اصول یہ ہے کہ جو سرگذشت بیان کرے اس طرح ادا کرے کہ سامنے تصویر کھینچ دے اور نشتر اس کا دل پر کھٹکے۔''[۹۹] یہی وہ جوہر ہے جو مولانا آزاد کی ہر تصنیف میں موجود ہے۔ مولانا آزاد کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ترجمہ کو تخلیق کا درجہ دے دیا ہے۔ جو ''نیرنگ خیال'' کی بہت بڑی خوبی ہے۔

تمام مضامین میں زندگی کے مختلف رنگ اور انگ موجود ہیں۔ بیشتر مضامین میں خوابوں اور رویا کا انداز اختیار کرتے ہوئے حق و باطل کی کشمکش کو بیان کیا ہے جو انسان اور طلسماتی ہستیوں کے بہروپ میں نظر آتے ہیں۔ لیکن '' شہرت عام اور بقائے دوام کا دربار''[۱۰۰] ایک دوسرا ہی رنگ لیے ہوئے ہے جزئیات کے ساتھ منظر نگاری کی گئی ہے جسے تشبیہات و استعارات سے مزین کیا ہے مثلاً شاہان مغلیہ، سعدی اور ابو الفضل کے ساتھ ساتھ ہندوستانی باکمال شعراء کا تذکرہ اس مضمون کا نچوڑ ہے۔ 'نیرنگ خیال'' کے ترجمہ شدہ مضامین لاہور میں اردو نثر کا وہ نمونہ ہیں جب اردو زبان ادبی سطح پر ابھی ابتدائی حالت میں تھی۔ مولانا آزاد نے اسے ترقی دی اور نئے نئے الفاظ، تراکیب، محاورات اور پرانے الفاظ کو نئی معنویت کے ساتھ اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کے لیے نیا اور اچھوتا اسلوب بیان دے کر مشکل خیالات اور غیر مانوس کیفیات کو کمالِ خوش اسلوبی اور روانی سے ادا کرتے ہیں کہ اس عہد میں اردو زبان کی کم مائیگی کا ذرا بھی احساس نہیں ہوتا۔ نتیجتاً ''نیرنگ خیال'' میں مولانا آزاد نے بطور ایک کامیاب مترجم کے اردو زبان میں اظہار بیان کے نئے سانچے کو متعارف کرواتے ہوئے زبان کو نہ صرف وسعت دی بلکہ نئے نئے امکانات اور تقاضوں کی بھی نشاندہی کی ہے۔

مجالس النساء: اصلاح کے نظریہ سے تعلیم نسواں کے موضوع پر مولانا الطاف حسین حالی کا تحریر کردہ ایک قصہ ہے جو انہوں نے قیام لاہور[۱۰۱] کے دوران ۱۸۷۴ء میں تصنیف کیا اور مطبع محمدی لاہور سے شائع ہوا۔[۱۰۲] یہ ایک اصلاحی قصہ ہے جس میں ''مراۃ العروس'' کی طرح کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ جس میں کہانی تعلیم نسواں اور ان کی اخلاقی و معاشرتی تربیت خصوصاً خانہ داری کے باب میں تحریر کی گئی ہے۔ اسی بناء پر مجالس النساء ایک عرصہ تک اودھ اور پنجاب کے مدارس نسواں میں نصاب کے طور پر رائج رہی۔ کتاب کی پسندیدگی کے حوالے سے ۱۸۷۵ء میں حکومت کی جانب سے لارڈ نارتھ بروک کے ہاتھ سے چار سو روپے (ایک ہزار فرانک) کا انعام بھی ملا۔[۱۰۳] تعلیم الاطفال کی ضرورت و اہمیت کے پیش نظر لکھی جانے والی اس کہانی کو ناول کی صورت میں تحریر کیا گیا ہے۔ جو دو حصوں اور نو مجلسوں یعنی ابواب پر مشتمل ہے اور ہر مجلس اپنی جگہ مکمل ہے۔ قصے میں جن معاشرتی مسائل کو بیان کیا گیا ہے ان پر سماجی ڈھانچے کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے چنانچہ قصہ کو اخلاق کی تربیت کے آلہ کار کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اس کے لیے مولانا حالی نے معلمانہ انداز کی بجائے دردمند ناصحانہ اسلوب اختیار کیا ہے جس سے کہانی میں قصے کی کیفیت پر اکثر مقصدیت کا اظہار غالب آ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کہانی کے فنی تقاضے کمزور پڑ جاتے ہیں۔ قصہ کو دلچسپ بنانے کے لیے جابجا حکایات اور چٹکلوں سے بھی کام لیا ہے لیکن واقعات کی ترتیب اور تسلسل میں نظم وضبط کو اس کامیابی سے ملحوظ رکھا ہے کہ کہانی ایک واضح مقصد کے ساتھ اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔ اصلاح و تفریح کے اس امتزاج میں روزمرہ، آسان اور عام فہم، سیدھی، سادی مثالوں اور بامحاورہ زبان نے قصہ میں ادبی چاشنی پیدا کر دی ہے۔ اس حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ ہوں:

> ''ہے ہے لوگو، اشراف زادیوں نے کیسا لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا۔ کیسی ان گھروں پر جہالت چھا گئی۔ کیسا الٹا زمانہ آ گیا محمودہ بیگم! ذرا سوچنے کی بات ہے ہمارے ملک کے ہندو مسلمان جو اشراف کہلاتے ہیں سب کے ہاں قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ بیٹی کو کچھ پڑھائیں یا نہ پڑھائیں پر بیٹے کو ضرور پڑھواتے ہیں کیا غریب اور کیا امیر ہر شخص اپنی بساط کے موافق بیٹے کی تعلیم میں ضرور کوشش کرتا ہے۔ پر میں نہیں جانتی اس ملک کی برکت کہاں اڑ گئی؟ جب دیکھا یہی دیکھا کہ سو میں سے دو چار بچے جو ایسے ہی صاحب نصیب اور ہونہار ہوئے وہ تو لکھ پڑھ کر کسی قابل ہو گئے اور باقی وہی کو دن کے کو دن رہے۔ ہاں اب کر کے سرکاری مدرسوں میں پڑھنا لکھنا بے شک زیادہ ہو گیا ہے پر آدمیت سی چیز وہاں بھی جمی جم آتی ہے۔''[۱۰۴]

تعلیم النساء: مولوی کریم الدین نے ۱۸۷۴ء میں لکھی۔

انگریزی زبان کس طرح بولنا اور لکھنا چاہیے: میجر ہالرائڈ ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم (جو اردو، فارسی اور عربی سے واقفیت رکھتے تھے) نے اردو میں ایک کتاب لکھی جو ۱۸۷۴ء میں خط نستعلیق میں لاہور سے چھپی۔[۱۰۵] جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے کہ اس کتاب کا مقصد انگریزی زبان کو سیکھنے کے لیے ایک آسان اور نیا قاعدہ بنانا تھا۔

قصص ہند (حصہ سوم): تاریخ کے موضوع پر قصص ہند کا یہ تیسرا حصہ انگریزی سے چنیدہ تاریخی کتب سے ماخوذ تراجم پر مبنی ہے۔ جس میں لارڈ کلائیو سے سر ہنری لارنس اور نکلسن تک کے حالات درج کیے گئے ہیں۔ ''قصص ہند'' (حصہ سوم) کی اولین اشاعت ۱۸۷۵ء ہے(۱۰۶) کیونکہ اس سے قبل اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اس حوالے سے ۹ اپریل ۱۸۷۴ء کے پنجاب گزٹ میں ۱۵ مارچ

۱۸۷۴ء تک چھپنے والی کتب کی فہرست میں بھی اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی بار اس کی اشاعت ۱۸۷۵ء ہی میں عمل میں آئی ۔ اس حصے کے سرورق پر ''مترجمان'' سے احساس ہوتا ہے کہ اس حصے کی ترتیب میں سررشتہ تعلیم کے مترجمین نے حصہ لیا ہوگا۔ لالہ سری رام نے ''خمخانۂ جاوید''، مولوی عبدالحق نے، ''مرحوم دلی کالج''، دتاتریہ کیفی نے ''دلی کالج اُردو میگزین نمبر'' اور امداد صابری نے ''حیات آشوب'' میں ''قصص ہند'' (حصہ سوم) کو پیارے لال آشوب ہی سے منسوب کیا ہے۔ جبکہ خلیل الرحمٰن داؤدی نے قصص ہند کو مرتب کرتے ہوئے اس کے تعارف میں بغیر کسی دلیل کے اسے پیارے لال آشوب کی تالیف تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کتاب میں کوئی دیباچہ یا پیش لفظ نہیں ہے ۔ جس سے اس کے مترجمان کی وضاحت ہو سکے۔ نمونہ عبارت ملاحظہ ہو:

> '' منٹگمری صاحب سابق لیفٹنٹ گورنر بہادر لکھتے ہیں کہ ہنری لارنس اور نکلسن ہندوستان میں اپنا مثل نر کہتے تھے ۔ اگر نکلسن جیتا رہتا تو ہندوستان کا سپہ سالار ہوتا ۔ چستی چالاکی ۔ جانفشانی ۔ پیش بینی ۔ فکر صائب اور پرلے درجہ کی بہادری جتنی خوبیاں فتح مند سپہ سالاروں میں ہونی چاہیں اسکی ذات میں سب جمع تھیں۔ مشکل کو مشکل اور خطرہ نہ جانتا تھا۔ جس قدر میں نے اس کو زیادہ دیکھا اسی قدر زیادہ اچھا پایا ۔ سرحد کے علاقوں میں انگریزی عملداری کا سکہ بٹھانے میں اس نے وہ کچھ کیا ہے کہ کسی سے نہ ہوگا اور پنجاب میں وہ نام پایا ہے کہ کبھی کوئی نہ پائیگا۔[۱۰۷]

واقعات ہند: یہ کتاب لالہ بھیرون پرشاد نے لکھی جو ہندوستان کی مکمل تاریخ ہے۔ ایجوکیشنل پریس لاہور سے ۱۸۷۵ء میں طبع ہوئی۔[۱۰۸]

نصاب ضروری: خدابخش نے اشعار کی فارسی اور اُردو لغت تیار کی جو ۱۸۷۵ء میں طبع ہوئی۔ اس کا ایک اور ایڈیشن ۱۸۷۸ء میں بھی شائع ہوا۔[۱۰۹]

فائض البیان:[۱۱۰] یہ حافظ عمر دراز فائض[۱۱۱] کی تصنیف ہے جو ۶۰ صفحات پر علم معانی و بیان کے بارے میں مختلف اسباق پر مشتمل ہے ۱۸۷۷ء میں مطبع پنجابی لاہور سے چھپی۔[۱۱۲] یہ ایک مختصر مگر جامع رسالہ ہے ۔ یہ رسالہ پنجاب یونیورسٹی کے نصاب میں ۱۸۸۴ء تا ۱۹۱۲ء تک شامل رہا۔

فائض المعانی: صرف ونحو پر مشتمل قواعد و انشاء کی کتاب حافظ عمر دراز فائض نے تحریر کی ہے جو ۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی۔

قواعد اُردو: یہ محکمہ تعلیم کے سلسلہ درسی نصاب کے ضمن میں لکھی جانے والی قواعد ہے جسے میجر ہالرائڈ کے حکم سے لکھا گیا۔ جو سرکاری مطبع میں ماسٹر پیارے لال کیور یٹر کے اہتمام سے ۱۸۷۹ء میں چھپی ۔ ۱۱۶ صفحات کی یہ مختصر قواعد دو حصوں پر مشتمل ہے ۔ پہلا حصہ صرف کے علم پر ہے جبکہ دوسرا حصہ نحو کے علم پر مبنی ہے۔ جس میں گردانیں صیغے، اسماء اور تمام متعلقہ اصلاحیں وغیرہ شامل ہیں۔ قواعد کی اس کتاب کی افادیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۸۷۹ء میں یہ اس کی ۲۰ ویں اشاعت تھی۔ ''قواعد اُردو'' ہی کے نام سے ۱۸۸۶ء میں مطبع مفید عام لاہور سے ایک اور کتاب شائع ہوئی جس کا مصنف معلوم نہیں ہو سکا ۔ یہ کتاب بھی صرف کے موضوع پر ہے لیکن سبق میں کہیں کہیں موضوع سے ہٹ کر بچوں کے لیے ہنسنے ہنسانے کی باتیں بھی کی گئی ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مزاح کا عنصر علمی کتب کا بھی حصہ رہا ہے ۔ مثلاً یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''بہن بسور رہی تھی کہ بھائی آیا۔ اس نے کہا دیکھو ہوا وہ ہنسی آئی وہ ہنسی آئی ماتھے پر آئی، نیچے اتر کر ناک میں آئی اے لو ہونٹوں پر آئی دیکھو مسکرائی ہو۔ بہن بھائی کی یہ باتیں سن کر ہنس پڑی۔ بڑے چھوٹوں کو یوں ہنسا دیا کرتے ہیں''۔[۱۱۳]

آب حیات: ۱۸۸۰ء[۱۱۴] میں لاہور سے شائع ہونے والی مولانا محمد حسین آزاد کی ایسی تصنیف ہے جس میں سوانح نگاری، تذکرہ نویسی، ادبی تاریخ اور تنقید نگاری کی خصوصیات بیک وقت پائی جاتی ہیں۔ اسی لیے اسے انوکھا اور جدید طرز کا پہلا تذکرہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ آب حیات میں تاریخ زبان اُردو، ہندی، فارسی انشاء پردازی، تاریخ نظم اُردو پر خوب عالمانہ اور شاعرانہ بحث کی گئی ہے۔ جس میں جانفشانی اور عرق ریزی سے کام لیا گیا ہے۔ ''مکتوبات آزاد'' سے پتہ چلتا ہے کہ یہ یونیورسٹی کے نصاب امتحان میں شامل تھی۔[۱۱۵] آب حیات خاص تنقیدی حیثیت کی حامل ہے جس سے نہ صرف باقاعدہ فن تنقید بلکہ تاریخی احساس کے ساتھ ادب کے مطالعہ کے ذوق کا آغاز بھی ہوا۔ اس سے قبل تنقید میں اردو شعرا کے تذکرے نظر آتے ہیں جو محض جذباتی دلچسپی کی بناء پر یا جواب الجواب کی صورت میں وجود میں آئے یا پھر شعرء کے کلام پر تقریظیں، تبصرے اور دیباچے نظر آتے ہیں جن میں تنقید اور ادب کے ہلکے اور مدھم نقوش موجود تھے۔ جبکہ ''آب حیات'' میں واضح تنقیدی شعور کے ساتھ زبان و ادب کے بارے میں بھی ایک نقطہ نظر ملتا ہے۔ آزاد نے شعراء کے حالات اور کلام کے علاوہ اردو تنقید میں تاریخی احساس، شاعر کی شخصیت، اس کے عہد اور ماحول کا ذکر بھی کیا ہے۔ نیز ''آب حیات'' کے سرورق کی یہ عبارت بھی اس بات کی عکاس ہے کہ یہ ''مشاہیر شعرائے اُردو کے سوانح عمری اور زبان مذکور کی عہد بہ عہد ترقیوں اور اصلاحوں کا بیان'' ہے۔ ایک عرصہ تک مولانا آزاد کی تنقیدی آراء کو مستند خیال کیا جاتا رہا ہے۔ شعرا کو حیات جاوداں بخشنے کے اس سلسلے کا آغاز دراصل انجمن پنجاب کے جلسوں ہی سے ہو چکا تھا۔ اس طرح ''آب حیات'' کی داغ بیل درحقیقت انجمن پنجاب کے جلسوں میں پڑی۔ ۱۰ جولائی ۱۸۶۵ء کے جلسہ میں مولانا آزاد نے تجویز پیش کی کہ ''ہر ہفتے میں شنبہ کے دن شام کے وقت مکان سکشاسبھا میں شائقین کا جلسہ ہوا کرے اور اس میں شعرا سلف کا تذکرہ ہوا کرے۔''[۱۱۶] یہ تجویز متفقہ طور پر منظور ہوئی لیکن اسی عرصہ میں مولانا آزاد نے ترکستان کا سفر اختیار کیا اور تجویز پر عمل نہ ہو سکا۔ سفر سے واپسی آکر انھوں نے اپنی تجویز کو عملی صورت دی اور ۱۸۶۷ء میں زبان اُردو کی تاریخ اور نشوونما، اصلیت زبان اُردو، نظم اور کلام موراوں کے باب میں خیالات، ولی، حاتم اور ہدایت پر مضامین پڑھے جو بعدازاں مناسب تبدیلیوں کے بعد ''آب حیات'' کا جزو بنے۔ پہلے پہل ''آب حیات'' کے متفرق اجزاء ''رسالہ'' انجمن مفید عام قصور میں شائع ہوئے۔[۱۱۷] اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا آزاد کے ذہن میں ''آب حیات'' جیسی تصنیف لکھنے کا خیال عرصہ دراز سے موجود تھا۔ جسے بعد ازاں انھوں نے مربوط اور منظم صورت دی۔ نیز چھوٹے چھوٹے دلکش جملوں، خوبصورت تراکیب، تشبیات و استعارات، شیریں اور مترنم انداز بیان، مرقع نگاری، ڈرامائیت اور نکھری ہوئی دہلی کی زبان نے اسلوب بیان کو شگفتگی، شوخی، رنگینی، حسن اور دلکشی سبھی کچھ بخش دیا ہے۔ اسلوب کی یہی خوبصورتی اس اقتباس میں ملاحظہ ہو:

''فلک تیر حوادث کا ترکش اور کمان کہکشاں لگائے کھڑا ہے۔ اگر عاشق کا تیر آہ اس کے سینے کے پار جاتا ہے پھر بھی زحل منحوس کی آنکھ نہیں پھوٹتی کہ عاشق کی صبح مراد ہو۔ باوفا شمع عشق کے تپ میں سراپا جلتی ہے اس کی چربی گھل گھل کر بہتی ہے مگر پائے استقامت اس کا نہیں ٹلتا۔ یہاں تک کہ سفیدۂ سحری کبھی آکر کافور دیتی ہے اور کبھی بتا

شیر۔ شمع کا دل اس لیے بھی گداز ہے کہ شب زندگی کا دامن بہت چھوٹا ہے لیکن صبح دونوں کے ماتم میں گریباں چاک کرتی ہے پنجۂ آفتاب فلک کے سبز گھوڑے پر سوار کرن کا تاج زرنگار سر پر رکھے شفق کا پھریرا اڑاتا ہوا اپنے حریف شاہ انجم کی فوج کو پریشان کر کے فتح یاب آیا ہے۔''[۱۱۸]

بھاشا اور فارسی کے بعد انگریزی میں انشا پردازی کے عام اصول بیان کرتے ہوئے ادب برائے زندگی با الفاظ دیگر افادی ادب کے حوالے سے جو تنقیدی اسلوب اختیار کیا ہے ملاحظہ ہو:

'' اس فخر کے ساتھ یہ افسوس پھر بھی دل سے نہیں بھولتا کہ انھوں نے ایک قدرتی پھول کو جو اپنی خوشبو سے مہکتا اور رنگ سے لہکتا تھا مفت ہاتھ سے پھینک دیا۔ وہ کیا ہے؟ کلام کا اثر اور اظہار اصلیت ہمارے نازک خیال اور باریک بین لوگ استعاروں اور تشبیوں کی رنگینی اور مناسب لفظی کے ذوق وشوق میں خیال سے خیال پیدا کرنے لگے اور اصل مطالب کے ادا کرنے میں بے پروا ہوگئے۔ انجام اس کا یہ ہوا کہ زبان کا ڈھنگ بدل گیا اور نوبت یہ تھی کہ اگر کوشش کریں تو فارسی کی طرح پنج رقعہ اور مینابازار یا فسانہ عجائب لکھ سکتے ہیں لیکن ایک ملکی معاملہ یا تاریخی انقلاب اس طرح نہیں بیان کر سکتے جس سے معلوم ہوتا جائے کہ واقعہ مذکور کیوں کر ہوا اور کیوں کر اختتام کو پہنچا اور اس سے پڑھنے والے کو ثابت ہو جائے کہ روئدادِ وقت کی اور صورتحال معاملے کی ایسی ہو رہی تھی کہ جو کچھ ہوا اسی طرح ہو سکتا تھا۔ دوسری صورت ممکن نہ تھی اور یہ نہ تو ناممکن ہے کہ ایک فلسفے یا حکمت اخلاق کا خیال رکھیں ۔ جس کی صفائی کلام لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف لگائے اور اس کے دلائل جو حسن بیان کے پردے میں برابر جلوہ دیتے جاتے ہیں وہ دلوں سے تصدیق کے اقرار لیتے جائیں اور جس بات سے روکنا یا جس کام پر جھونکنا منظور ہو اس میں پوری پوری اطاعت سننے والوں سے لے سکیں ۔ یہ قباحت فقط نازک خیالی نے پیدا کی کہ استعارہ وتشبیہ کے انداز اور مترادف فقرے تکیہ کلام کی طرح ہماری زبان پر چڑھ گئے۔ بے شک ہمارے متقدمین اس کی رنگینی اور نزاکت کو دیکھ کر پھولے مگر نہ سمجھے کہ یہ خیالی رنگ ہمارے اصلی جوہر کو خاک میں ملانے والا ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج انگریزی ڈھنگ پر لکھنے میں یا ان کے مضامین کے پورا پورا ترجمہ کرنے میں ہم بہت قاصر ہیں''[۱۱۹]

شعرا کے بارے میں مولانا آزاد کی آراء بہت صائب ہیں شعراء کے سلسلہ وار جائزے نے ''آب حیات'' کو اردو شاعری کی پہلی مکمل اور مبسوط تاریخ بنا دیا ہے۔ جس میں تاثراتی تنقید کا ایک نپاتُلا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔گو کہ مولانا آزاد کی تاثراتی تنقید میں اکثر و بیشتر وضاحت ،تشریح وتحلیل ،سنجیدگی اور الفاظ و خیالات کی ہم آہنگی پر ان کے جذبات غالب آجاتے ہیں۔جس سے ان کے تنقیدی مباحث کو نقصان پہنچاتا ہے۔ تذکرہ، ادبی تاریخ،تنقید وتحقیق اور خاکہ نگاری کی خوبیوں کی حامل ''آب حیات'' نے اُردو نثر میں شاعرانہ اور دلکش اسلوب کی ایک نئی داغ بیل ڈالی اوراس انشاپردازی کے نئے اسلوب نے اسے لازوال بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ''آب حیات'' لاہور میں لکھی جانے والی اُردو نثر کا شاہکارنمونہ ہے جس کے بارے میں مولانا شبلی نعمانی نے مولانا آزادکی وفات پرندوہ کے ماتمی جلسہ میں کہا:''آج جس شخص کا ماتمی جلسہ ہے اس کی اس تصنیف کو میں نے ۱۸مرتبہ پڑھا ہے''۔[۱۲۰]

علم سکون: آیارام [۱۲۱] کی تحریر کردہ یہ درسی کتاب اقلیدس، جبر و مقابلہ وعلم مثلث سے متعلق ہے۔ پہلی بار کب شائع ہوئی معلوم نہیں ہو سکا۔ ۱۸۸۰ء مطبوعہ انجمن پنجاب لاہور کی اشاعت دستیاب ہوئی ہے۔ خالص علمی موضوع پر مبنی اس کتاب کے بارے میں مصنف لکھتا ہے:

> ''اس کتاب میں ہم جرثقیل بیانیہ کی اصول لکھتے ہیں ہم یقین کرتے ہیں کہ طالب العلم اقلیدس جبر و مقابلہ وعلم مثلث سی واقف ہوگا۔ ہر ایک طاقت میں جو ایک ذرہ پر عمل کرتی ہو تین باتوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ اول مقام انفعال طاقت یعنی طاقت کی اثر کرنیکا مقام دوئم سمت طاقت یعنی وہ سمت جس میں طاقت ذرہ کو حرکت دینے کی قابلیت رکھتی ہی۔ تیرا مقدر طاقت''۔ [۱۲۲]

اس کتاب کو پڑھنے سے پتہ چلتاہے کہ اُردو نثر انیسویں صدی کے نصف دوم میں ہی اس قابل ہوچکی تھی کہ اقلیدس، جبرومقابلہ اورعلم مثلث کے خالص علمی رموز کو بیان کرسکتی تھی۔ متعلقہ موضوع کی اصطلاحات کا استعمال اور عبارت کی صفائی کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو جس میں ان طاقتوں کا بیان کیا گیا ہے جو ایک ہی سطح پر عمل کرتی ہیں:

> ''طاقتوں کا ایک نظام جو ایک ہی سطح میں ایک جسم مصمت پر عمل کرتا ہو ساکن ہوگا۔ بشرطیکہ انکی مقیاس القوتوں کے حاصلجمع جبریہ اسی طرح کی کسی دونقطوں کے گردصفر کے برابر ہو اور ان طاقتوں کی اجزاء منفصلہ کی حاصلجمع جبریہ جو کہ ان دونوں نقاط کے خط درمیانی کے متوازی منفصلہ کی جاویں برابر صفر کے ہو۔ کیونکہ اگر طاقتوں کا نظام ساکن نہ ہو تو وہ یا تو ایک مفرد حاصل کے برابر ہوگا یا ایک جفت کی مگر اس صورت میں طاقتوں کا نظام جفت کے برابر نہیں ہو سکتا کیونکہ تب تو ان کی مقیاس القوتو نکی حاصل جمع اسی سطح میں کسی نقطہ کے گردصفر کے برابر نہیں ہوسکتی۔ اور نہ طاقتوں کا نظام کسی مفرد حاصل کی برابر نہیں ہوسکتی۔ اور نہ طاقتوں کا نظام کسی مفرد حاصل کی برابر ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں مقیاس القوتوں کی حاصل جمع جبریہ صاف ان نقاط کے لحاظ سے جو انکی حاصل کی خط میلان میں ہوں برابر صفر کے ہوگی بس اس خط کی سمت میں عمل کرئے گا۔ جو دونوں نقاط مفروضہ کو وصل کرتا ہے مگر یہ بات ہم فرض کر چکے ہیں کہ ان طاقتوں کے اجزا منفصلہ کی حاصلجمع جبریہ اسی خط کے متوازی صفر کے برابر ہے پس اسی خط کی سمت میں کوئی حاصل عمل نہیں کرسکتا دیکھو حدود ۴۴ اور ۵۴ پس طاقتو نکا نظام ساکن ہونا چاہیئے''۔ [۱۲۳]

اُردو نثر میں کچھ درسی کتب ایسی ہیں جن کا سن اشاعت قطعیت کے ساتھ نہیں ملتا لیکن اپنے موضوع کے اعتبار سے ۱۸۶۵ء تا ۱۸۸۰ء کے زمانے کی شمار کی جاسکتی ہیں۔ ان میں درج ذیل کتب کا حوالہ ملتا ہے۔

تاریخ انگلشیہ: محکمہ تعلیم پنجاب نے کالیز کی ''ہسٹری آف برٹش'' کا ترجمہ کرایا۔ Todhunter کی کتاب Statistics for Biginners کا اُردو ترجمہ پنجاب یونیورسٹی کالج لاہور کے لیے کیا گیا۔

علم سخن: آیارام ۔بی۔اے کی تالیف کردہ ہے جو انجمن پنجاب پریس لاہور سے شائع ہوئی۔

فوائد ضیا: یہ اُردو کی گرائمر ہے، جسے مولوی ضیاء الدین نے تحریر کیا ہے۔

رسالہ اصول برقی و مقناطیسی: لالہ رگھو ناتھ داس نے یہ رسالہ پنجاب یونیورسٹی کالج کی طرف سے ترجمہ کیا۔

مختصر جغرافیہ کرہ ارض: حافظ عبد الرحمٰن کی تصنیف کردہ یہ کتاب بھی ایجوکیشن پریس لاہور سے شائع ہوئی ۔

واقعہ سکندر اعظم : یہ کتاب ایجوکیشنل پریس لاہور سے شائع ہوئی۔

واقعہ راجہ رام چندر: یہ کتاب ایجوکیشنل پریس لاہور سے شائع ہوئی۔

گلشن علم اُردو: مولوی غلام حیدر نے تالیف کی اور قادری پریس لاہور سے طبع ہوئی۔

علم حرکت: پنجاب یونیورسٹی کالج نے ایس ایم مکرجی سے یہ کتاب لکھوائی ۔

ہندوستانی بات چیت: یہ کتاب میجر ہالرائڈ نے لکھی جو ایجوکیشنل پریس لاہور سے شائع ہوئی ۔

جغرافیہ ہند: لالہ سدا سکھ لال کا تحریر کردہ یہ جغرافیہ جو ایجوکیشنل پریس لاہور سے شائع ہوا۔

مذکورہ درسی کتب کے علاوہ مختلف علوم وفنون پر چھپنے والی مندرجہ ذیل علمی اور سائنسی کتابوں (جن میں سے بیشتر کی نوعیت درسی ہے) نے بھی لاہور میں اردو نثر کے ارتقا میں فعال کردار ادا کرتے ہوئے اسے موضوع اور اسلوب کے تنوع سے ہمکنار کیا:

ریاضی و شماریات:

۱۔ ''جبر و مقابلہ'' از مولوی محمد کریم بخش ،لاہور، مطبع سرکاری، ۱۸۶۱ء

۲۔ ''زبدۃ الحساب'' از منشی رجب علی، لاہور، مطبع کوہ نور، ۱۸۷۳ء

۳۔ ''نکات الحساب'' از درگاہ پرشاد، لاہور، مفید عام پریس، ۱۸۸۰ء

۴۔ ''حل جبر و مقابلہ'' از مولوی غلام مصطفیٰ، لاہور، مطبع انجمن پنجاب، ۱۸۸۱ء

۵۔ ''حل علم مثلث'' از مولوی غلام مصطفیٰ، لاہور، مطبع انجمن پنجاب، ۱۸۸۲ء

۶۔ ''تحریر اقلیدس'' از سی آر کک، لاہور، مفید عام پریس، ۱۸۸۹ء

۷۔ ''اقلیدس کی پہلی کتاب'' از ششی بھوشن مکرجی، لاہور، مفید عام پریس، ۱۸۹۷ء

۸۔ ''جبر و مقابلہ'' از گولک ناتھ چڑجی، لاہور، مفید عام پریس، ۱۹۰۰ء

۹۔ ''اقلیدس کی تیسری کتاب'' پنجاب محکمہ تعلیم، لاہور، مفید عام پریس، سن ندارد

علم کیمیا:

۱۔ ''کتاب علم الکیمیا'' از راسکو مترجم سید امیر شاہ، لاہور، مطبع انجمن پنجاب، ۱۸۷۹ء

۲۔ ''علم کیمیا کا ابتدائی رسالہ'' از راسکو، مترجم، گورنمنٹ بک ڈپو پنجاب، لاہور، رائے صاحب منشی گلاب سنگھ، سن ندارد۔

۳۔ ایضاً، ۱۸۹۶ء

طبیعات:

۱۔ ''اصول برقی مقناطیسی'' از لالہ رگناتھ، لاہور، مطبع پنجابی، ۱۸۷۴ء

۲۔ ''تدریسات علم طبعی'' از ڈاکٹر سید امیر شاہ، لاہور، کار پرداز مطبع انجمن لاہور، ۱۸۷۹ء

۳۔ ''علم حرکت'' از بابو ششی بہوشن، لاہور، مطبع انجمن لاہور، ۱۸۷۹ء

حیوانیات:

۱۔ ''زینت الخیل'' از منشی محمد مہدی، لاہور، مطبع کوہ نور، سن ندارد

۲۔ ''علم تشریح حیوانات خانگی'' از سید مہابت شاہ گیلانی، لاہور، انوار احمدی پریس، ۱۹۰۰ء

جغرافیہ و موسمیات:

۱۔ ''جام جہاں نما'' (تیسری جلد) محکمہ تعلیم پنجاب، لاہور، مطبع سرکاری، ۱۸۶۱ء

۲۔ ''جغرافیہ ہند'' محکمہ تعلیم پنجاب، لاہور، مطبع سرکاری، ۱۸۷۶ء

۳۔ ''جغرافیہ ہند'' محکمہ تعلیم پنجاب، لاہور، مطبع سرکاری، ۱۸۷۸ء

۴۔ ''جغرافیہ طبعی'' ہالرائڈ مترجم گورنمنٹ بک ڈپو، لاہور، مطبع سرکاری، ۱۸۷۹ء

۵۔ ''جغرافیہ طبعی'' از ہنری بلانفرڈ، لاہور، گورنمنٹ بک ڈپو پنجاب، ۱۸۷۹ء

۶۔ ''جغرافیہ پٹیالہ'' از گنیش لعل، لاہور، مطبع مفید عام، ۱۸۸۱ء

۷۔ ''جغرافیہ پنجاب'' لاہور، سرکاری پریس، ۱۸۸۲ء

۸۔ ''مختصر جغرافیہ عالم'' از ایچ بلوک مین مترجم محمد الدین، لاہور، مفید عام پریس، ۱۸۸۳ء

۹۔ ''مختصر جغرافیہ عالم'' از ایچ بلوک مین، لاہور، مطبع مفید عام، ۱۸۸۳ء

۱۰۔ ''مختصر جغرافیہ عالم'' گلاب سنگھ، لاہور، مطبع مفید عام، ۱۸۸۳ء

۱۱۔ ''مفید عام جغرافیہ پنجاب'' لاہور، مطبع مفید عام، ۱۸۸۴ء

۱۲۔ ''خلاصہ جغرافیہ طبعی'' مترجم سریش چندر، لاہور، مفید عام پریس، ۱۸۸۶ء

۱۳۔ ''مفتاح الارض'' گلاب سنگھ، لاہور، مفید عام پریس، ۱۸۸۶ء

۱۴۔ ''جغرافیہ ہند'' لاہور، گو بند پرکاش، ۱۸۸۶ء

۱۵۔ ''رسالہ انواع حقیقت'' مترجم جیا رام، لاہور، مفید عام پریس، ۱۸۸۶ء

۱۶۔ ''جغرافیہ، امرتسر کے ضلع کا جغرافیہ'' لاہور، مطبع سرکاری، ۱۸۸۶ء

۱۷۔ ''جغرافیہ پنجاب'' گلاب سنگھ، لاہور، مطبع مفید عام، ۱۸۸۶ء

۱۸۔ ''مختصر جغرافیہ پنجاب'' گلاب سنگھ، لاہور، مطبع مفید عام، ۱۸۸۷ء

۱۹۔ ''اردو فسٹ جاگرفی'' مترجم گلاب سنگھ، مطبع مفید عام، ۱۸۸۷ء

۲۰۔ ''مختصر جغرافیہ ہند'' گلاب سنگھ، لاہور، مطبع مفید عام، ۱۸۸۷ء

۲۱۔ ''امیر الجغرافیہ'' از منشی امیر چند، لاہور، اسلامیہ پریس، ۱۸۸۹ء

ارضیات:

۱۔ ''مبادی علم جیولوجی'' از مولانا الطاف حسین حالی، لاہور، ۱۸۸۳ء

نفسیات:

۱۔ ''رسالہ علم النفس و القوی'' از انعام علی، لاہور، مطبع انجمن پنجاب، ۱۸۸۵ء

طب:

۱۔ ''امراض الصبیان'' از رحیم خان، لاہور، مطبع محمدی، ۱۸۶۷ء

۲۔ ''رسالہ چند امراض مواشی ہند'' از رحیم خان لاہور، مطبع کوہ نور، ۱۸۷۱ء

۳۔ ''طب شتران'' از سردار شاہ گیلانی، لاہور، احمد پریس، ۱۸۹۹ء

۴۔ ''رسالہ ہائی جین یعنی قواعد حفظان صحت'' از برج لعل گھوس، لاہور، کریم بخش، ۱۹۰۰ء

سیاسیات:

۱۔ ''آپ بیتی مہاتما گاندھی'' مترجم حامد قریشی، لاہور، کتابستان اردو، ۱۹۰۰ء

۲۔ ''خراج اسلام'' از مرتضی احمد خان، لاہور، تاج کمپنی، ۱۹۰۰ء

صنعت وحرفت:

۱۔ ''فیشن پوڈر، فیشن کریم'' کریم بخش شاہ ولی تاجران کتب، لاہور، ۱۹۰۰ء

تعلیمات:

۱۔ ''اشارات التعلیم'' از الیگزینڈر، مترجم مولوی کریم الدین، لاہور، مطبع مطلع نور، ۱۸۶۶ء

۲۔ رپورٹ کالج علوم مشرقی، لاہور، لاہور کالج علوم مشرقی، ۱۸۷۸ء

۳۔ ''اردو خط و کتابت کی پہلی کتاب'' لاہور، رفاہ عام سٹیم پریس، ۱۸۹۹ء

فلسفہ ومنطق:

۱۔ ''منطق استخراجی'' از رے، مترجم علی گوہر، لاہور، پنجاب یونیورسٹی ۱۸۹۹ء

۲۔ ''رسالہ منطق استقرائی'' محمد حسین ، لاہور، مطبع انجمن پنجاب، سن ندارد۔[۱۲۴]

تعلیمی، نصابی اور درسی ضروریات کے لیے یہ جو کتابیں شائع ہوئیں انہوں نے اردو نثر کے لیے ایک نئی راہ ہموار کی۔ محکمہ تعلیم کے انگریز افسران نے مقامی مصنفین کی حوصلہ افزائی کی ان سے کتابیں لکھوائیں اور اپنے ماہرین تعلیم کو موقع فراہم کیا کہ وہ اس کام میں مقامی ادبا کا ہاتھ بٹائیں۔ یہی وجہ ہے کہ انیسویں صدی میں اس طرز کی بیشتر کتابیں جو محکمہ نے شائع کیں محکمہ تعلیم کے کسی نہ کسی انگریز افسر کے اشتراک عمل سے وجود میں آئیں یا پھر اس کی ''فرمائش'' ''حکم'' اور ''ایماء'' پر لکھی گئیں۔ محکمہ تعلیم کی ترغیب اور تحریک پر وجود میں آنے والی ان نثری درسی کتب کا مقصد طلباء کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کرنا تھا۔ جس میں انہیں زبان، تاریخ اور معاشرت کی تعلیم دی گئی۔ اس کے ساتھ ایسی کتابیں بھی تصنیف و تالیف کی گئیں جن کے ذریعے مختلف علوم وفنون کی تعلیم دی گئی۔ انہی نثری درسی کتابوں نے قصے کہانیوں کی صورت میں تفریح طبع کا سامان بھی فراہم کیا۔ ایک بات جو تمام درسی کتابوں میں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ نئی نسل کی ذہنی، فکری اور اخلاقی تعلیم و تربیت کا پہلو نمایاں ہے۔

حواشی

۱۔ مصطفیٰ علی بریلوی، سید: ''پنجاب میں انگریزوں کی لسانی پالیسی''(مقالہ)مشمولہ ''پاکستان میں اردو'' (چوتھی جلد)، (مرتبین)سردار احمد پیرزادہ' سید تجمل شاہ' فتح محمد ملک' اسلام آباد' مقتدرہ قومی زبان' طبع اول' ۲۰۰۶ء' ص: ۶۷۷

۲۔ سہ ماہی ''تاریخ'' لاہور نمبر، لاہور' فکشن ہاؤس' جنوری' ۲۰۰۲ء' ص: ۲۱۷

۳۔ مشہور مدارس میں مدرسہ دائی لاڈو، درس میاں وڈھڈایا، مدرسہ میانی صاحب، مدرسہ خیر گڑھ، مدرسہ ابوالحسن خان ترہتی، مدرسہ شیخ بہلول، مدرسہ ملا فاضل قادری، مدرسہ ملا خواجہ بہاری، مدرسہ وزیر خان، مدرسہ نور ایمان والی مسجد، مدرسہ موراں کی مسجد، مدرسہ لال مسجد لاہور (ان کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو نقوش لاہور نمبر، ''تاریخ لاہور''، مصنفہ کنہیا لال ہندی ، ''لاہور کے چشتی خاندان کی اردو خدمات''، مصنفہ ڈاکٹر گوہر نوشاہی، ''لاہور کی یادیں''، مصنفہ اے حمید)

۴۔ بعدازاں ارسطو جاہ دلی کالج میں تحصیل علم کے بعد اسی کالج میں ریاضی کے استاد ہو گئے۔ ۱۸۳۰ء میں ملازمت ترک کرنے اور مختلف ملازمتیں کرنے کے بعد لاہور میں سرہنری لارنس اور سرجان لارنس کے رفیق کار یعنی میر منشی گورنر پنجاب رہے۔ خدمات کے صلہ میں ارسطو جاہ کا خطاب اور جگراؤں میں جاگیر عطا ہوئی۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو محمد حسین آزاد ''حیات و تصانیف'' مصنفہ ڈاکٹر اسلم فرخی، ص: ۱۲۰ تا ۱۲۲)

۵۔ سہ ماہی ''تاریخ'' لاہور نمبر، ص: ۲۰۷

۶۔ ایضاً، ص: ۲۱۶

۷۔ عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر: ''صحافت پاکستان و ہند میں''، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۳ء، ص: ۱۳۱

۸۔ محمد صادق، ڈاکٹر: ''محمد حسین آزاد احوال و آثار''، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع اول نومبر ۱۹۷۶ء ص: ۳۹

۹۔ ملاحظہ ہو Nazir Ahmad Chaudhary:"Development of Urdu as Official Language in Punjab 1849-1974"Lahore'Evergreen Press'1974.

۱۰۔ محمد حسین: ''اردو ناگری کی بحث: صوبہ پنجاب میں''(۲)(مقالہ) مشمولہ ''پاکستان میں اردو'' (چوتھی جلد)، ص: ۳۷۶

۱۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقمہ کا مضمون ''پنجاب بک ڈپو'' مشمولہ ''تحقیق نامہ'' شمارہ۔۱۴ جنوری تا جون ۲۰۱۴ء۔

۱۲ ۔ خطبات گارساں دتاسی'' (حصہ اول)، کراچی' انجمن ترقی اردو پاکستان، اشاعت ثانی، ۱۹۷۹ء ص: ۲۵۰

۱۳۔ ان میں سرفہرست مولانا محمد حسین آزاد ہیں جو لاہور میں جدید اردو نثر کے ہیرو بھی ہیں۔

۱۴۔ گارساں دتاسی، ''خطبات گارساں دتاسی'' (حصہ دوم) کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۴ء، ص: ۴۸

۱۵۔ ایضاً، ص: ۱۵۳

۱۶۔ ایضاً، ص: ۲۷

۱۷۔ سلطان محمود حسین، سید، ڈاکٹر: ''حواشی و تعلیقات گارساں دتاسی'' لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۷ء، ص: ۳۲۶

۱۸۔ گارساں دتاسی: ''مقالات گارساں دتاسی'' (جلد اول)' کراچی انجمن ترقی اردو پاکستان' اشاعت دوم' ۱۹۶۴ء' ص: ۳۶۳

۱۹۔ سید احمد دہلوی، مولوی: ''محاکمہ مرکز اردو'' دہلی، شمسی پریس، ۱۹۱۱ء، ص: ۱۵

۲۰۔ ''خالق باری''، ''فرح الصبیان'' وغیرہ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ''پنجاب میں اردو'' (ترتیب و تدوین مع اضافات) مصنفہ اکرام چغتائی۔

۲۱۔ انگریزی عہد میں خصوصاً نثر کو نصابی سطح پر رواج ملا۔ یہی وجہ تھی کہ نصابی سطح پر نظم کی کمی کو محسوس کیا گیا تو انجمن پنجاب کے مشاعروں کی مدد سے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی۔

۲۲۔ اس قسم کے اعلانات بعد میں بھی کیے جاتے رہے۔ مثلاً حکومت کی جانب سے فلسفہ تاریخ سیاست یا سائنس پر دلکش طرز زبان اور عام فہم کتاب تالیف کرنے پر معاوضہ کا اعلان کیا گیا۔ (ہندوستانی زبان و ادب ۱۸۷۲ء'' مشمولہ ''مقالات گارساں دتاسی'' (جلد اول) کے ص ۲۰۶) ایسا ہی ایک انعامی مقابلے کا اعلان عیسائی ادب کی اشاعت کے لیے بھی کیا گیا۔ ملاحظہ ہو (''ہندوستانی زبان و ادب ۱۸۷۳ء'' مشمولہ مقالات گارساں دتاسی، (جلد اول)، ص: ۳۲۱)

۲۳۔ یہ کتاب درجہ اول پر رہی اور ہزار روپے انعام کی حقدار قرار پائی۔ (مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ''صحیفہ'' شمارہ نمبر ۴۰، جولائی ۱۹۶۷ء)

۲۴۔ یہ کتاب بھی ۱۸۶۸ء میں انعام کی غرض سے لکھی گئی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''حالی کی اردو نثر نگاری'' مصنفہ ڈاکٹر عبدالقیوم، ''نقوش'' لاہور، نومبر ۱۹۵۳ء، ''حالی کا ذہنی ارتقا'' مصنفہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان۔

۲۵۔ مولانا محمد حسین آزاد کو اس پر دو سو روپے کا انعام ملا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''محمد حسین آزاد حیات و تصانیف'' مصنفہ ڈاکٹر اسلم فرخی، ''راوی'' آزاد نمبر ۱۹۸۳ء

۲۶۔ ایک اصلاحی تمثیلی قصہ ہے جس پر مولوی سید احمد دہلوی کو بھی انعام دیا گیا۔ (ملاحظہ ہو، خطبات گارساں دتاسی)

۲۷۔ سفرنامہ کے انداز میں لکھا گیا تمثیلی قصہ جس پر سو روپے کا انعام ملا ۱۸۷۰ء میں چھپا (ملاحظہ ہو ''اردو ناول کا ارتقا'' مصنفہ ڈاکٹر عظیم الشان صدیقی)

۲۸۔ اس کے لیے ملاحظہ ہو ممتاز گوہر، ڈاکٹر: ''پنجاب میں اردو ادب کا ارتقا'' لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ص: ۲۳۳

۲۹۔ عبدالوحید، خواجہ: ''جائزہ زبان اردو پنجاب''، ص: ۱۰۷ جبکہ عطش درانی کے بقول (پنجاب میں اردو اور دفتری زبان''، ص:

۱۲) یہ مطبع پنجابی سے ۱۸۵۶ء میں منشی محمد عظیم نے شائع کی۔مضمون نگار کے مطابق مطبع پنجابی سے اس کتاب کا کوئی اور ایڈیشن یا اشاعت عمل میں آئی ہو گی۔ ورنہ اس کا سن اشاعت ۱۸۵۴ء ہی ہے۔

۳۰۔ مولوی کریم الدین (۱۸۲۱ء - ۱۸۷۹ء) دلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے۔۱۸۵۰ء تا ۱۸۵۷ء آگرہ کالج میں مدرس اردو رہے۔ ۱۸۶۰ء کے اوائل میں لاہور آئے اور ۶۲-۱۸۶۱ء میں حلقہ لاہور کے ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہوئے اور دس بارہ برس اس عہدے پر فائز رہے۔ ان کو تدریسی سرگرمیوں کا گذشتہ ۲۰ سالہ تجربہ تھا جس بناء پر انگریز حکام انہیں لاہور لے آئے۔ لاہور آنے سے قبل ان کا کام ''قواعد المبتدی'' ۱۸۵۷ء میں لاہور کے مدارس میں درسی نصاب کے طور پر پڑھائی جا رہی تھی۔ لاہور آنے کے بعد مولوی کریم الدین نے بہت سی کتابیں لکھیں جنہیں مطبع سرکاری لاہور نے شائع کر کے نصاب تعلیم میں شامل کیا۔

۳۱۔ ''دلی کالج اردو میگزین''، (قدیم دلی کالج نمبر) ۱۹۵۳ء، ص: ۹۷

۳۲۔ ''صحیفہ'' لاہور، شمارہ نمبر ۴۰، جولائی ۱۹۶۷ء، ص:۱۶

۳۳۔ سلطان محمود حسین، سید، ڈاکٹر: ''تعلیقات خطبات گارساں دتاسی''، ص: ۲۰۴

۳۴۔ ایضاً، ص:۲۰۴

۳۵۔ ''دلی کالج اردو میگزین''، (قدیم دلی کالج نمبر) ۱۹۵۳ء، ص: ۹۷

۳۶۔ ایضاً، ص: ۹۸

یہ لغت کس قدر مفید تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ بالترتیب ۱۸۶۷ء میں مطبع مطلع نور لاہور، بلوم ہارٹ کی فہرست کتب اردو کے مطابق ۱۸۷۵ء مطبع پنجاب لاہور، ۱۸۷۶ء مطبع نارائن لاہور اور ۱۸۷۷ء میں سرکاری مطبع لاہور سے اس کے کئی ایڈیشن چھپے۔

۳۷۔ ''صحیفہ'' لاہور، شمارہ نمبر ۴۰ جولائی ۱۹۶۷ء، ص: ۱۶-۱۷

۳۸۔ عبدالوحید، خواجہ: (مرتب) ''جائزہ زبان اردو پنجاب''، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۵ء، ص: ۱۱۰

۳۹۔ یہ قصہ باوجود کوشش کے نہیں ملا۔

۴۰۔ اس نام کا سولہ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ گڑگانوں سے شائع ہوتا تھا (جائزہ زبان اردو پنجاب، ص:۱۱۱)

۴۱۔ گارساں دتاسی: ''خطبات گارساں دتاسی'' (حصہ اول) ص: ۳۶۶

۴۲۔ ڈاکٹر اسد اریب کے بقول ''انشائے اردو'' ۱۸۷۱ء میں بموجب فرمان کرنل ہالرائیڈ ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب شائع ہوئی (اردو میں بچوں کا ادب ''غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی' پنجاب یونیورسٹی' ۱۹۸۴ء' ص: ۵۱) جو کہ درست نہیں ہے

پھر بلوم ہارٹ کی ''فہرست اردو کتب'' کے مطابق اس کی دو اور اشاعتوں کے بارے میں معلوم ہوا ہے جو ۱۹۶۷ اور ۱۸۶۸ء میں مطبع وکٹوریہ لاہور سے شائع ہوئیں۔ ان متعدد اشاعتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک مقبول درسی و نصابی کتاب تھی۔

۴۳۔ گارساں دتاسی کے مطابق مشہور خطاط محمد فاضل لاہوری نے اس کی کتابت کی اور پھر یہ لتھو پر چھپی۔

۴۴۔ دتاسی کے مطابق ایسی کتب کی حیثیت تراجم سے زیادہ نہیں (خطبات گارساں دتاسی جلد اول) جبکہ امداد صابری اسے محض ایک الزام قرار دیتے ہیں (''تاریخ صحافت اردو'' جلد اول، دہلی، چوڑی دالان، یکم جنوری ۱۹۵۳ء)

۴۵۔ ڈاکٹر اسد اریب کے مطابق تسہیل التعلیم ۱۸۶۶ء میں چھپی (''اردو میں بچوں کا ادب''، ص: ۴۹) بلوم ہارٹ کی فہرست کتب اردو کے مطابق ایک اشاعت ہندو پریس مطبع حسنی میں ۱۸۶۸ء میں بھی ہوئی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اردو نثر میں ایک مقبول درسی کتاب تھی۔

۴۶۔ انجم رحمانی، ڈاکٹر: ''برطانوی دور میں اردو کے فروغ میں پنجاب کے نظام تعلیم کا حصہ'' (غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی)، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۸۰ء، ص: ۲۳۵

۴۷۔ ''صحیفہ'' لاہور، شمارہ نمبر ۴۰، جولائی ۱۹۶۷ء، ص: ۱۸

۴۸۔ محمد یحییٰ تنہا اس کا نام ''مخزن الطبیعات'' اور سن اشاعت ۱۸۶۵ء بتاتے ہیں (''سیر المصنفین'' جلد اول، لاہور، عالمگیر الیکٹرک پریس، ۱۹۔ستمبر ۱۹۴۸ء؛ ص: ۳۱۴) جبکہ ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین نے جو حوالہ دیا ہے وہ ۱۸۶۵ء مطبع پنجابی لاہور کا ہے (تعلیقات خطبات گارساں دتاسی، ص: ۲۴۵) اس کتاب کی دوسری جلد ''اصول علم طبیعی'' کی ایک اشاعت ۱۸۶۷ء میں مطبع سرکاری سے ہوئی۔

۴۹۔ مولوی ضیاء الدین بن شیخ غلام حسن، دہلی کے رہنے والے تھے۔ دہلی کالج میں بطور نائب پروفیسر عربی کام کرتے رہے۔ مدرسہ تعلیم المعلمین (نارمل سکول) میں مدرس مقرر ہوئے محکمہ تعلیم کو چلانے اور اسے ترقی دینے کے لیے انگریز جن افراد کو دہلی (یو۔پی) سے لاہور لائے ان میں مولوی ضیاء الدین بھی شامل تھے جنہوں نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ چنانچہ ''فوائد ضیاء'' مخزن طبعی، اصول علم طبعی، وغیرہ کے علاوہ ''واقعات ہند'' (۱۸۶۴ء) ''رسوم ہند'' (۱۸۶۸ء) اردو کی تیسری کتاب (۱۸۶۸ء) اور قواعد اردو (۱۸۷۰ء) کی تیاری میں بھی معاونت کی۔

۵۰۔ گارساں دتاسی: ''خطبات گارساں دتاسی''، (حصہ اول)، ص: ۴۰۵

۵۱۔ تنہا، محمد یحییٰ: ''سیر المصنفین''، (جلد اول) لاہور، عالمگیر الیکٹرک پریس، ۱۹ ستمبر ۱۹۴۸ء، ص: ۳۱۴

۵۲۔ سلطان محمود حسین، سید، ڈاکٹر: ''تعلیقات گارساں دتاسی''، ص: ۲۶۶۔اس کی ایک اشاعت ۱۸۶۸ء میں مطبع کوہ نور لاہور سے بھی ہوئی۔

۵۳۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقمہ کا مضمون ''نصیحت کا کرن پھول''، مشمولہ ''تحقیق نامہ''، شمارہ۔۹، ۲۰۱۱ء

۵۴۔ ڈاکٹر اسد اریب کے بقول ''محکمہ تعلیم پنجاب نے اس قصے کو بہت پسند کیا اور اپنے نصاب میں شامل کر لیا (''اردو میں بچوں کا ادب'' ص: ۴۸)

۵۵۔ آزاد، محمد حسین، مولانا: ''نصیحت کا کرن پھول''، لاہور، اسلامیہ سٹیم پریس، ۱۹۱۷ء، ص: ۸۳-۸۴

۵۶۔ امداد صابری (''تاریخ صحافت اردو'' (جلد اول) ص: ۲۷۶) اور عظیم الشان صدیقی (''اردو ناول کا آغاز و ارتقا'' ص: ۱۰۹) اس کا سن تصنیف ۱۸۶۲ء کے درمیان بتاتے ہیں۔ مقالہ نگار کے مطابق ان ادبا سے سہو ہوا ہے۔ دراصل اس کا سن تصنیف ۱۸۶۴ء ہے۔ مذکورہ ادبا سے سہو ہونا فطری تھا کیونکہ ۴ اور ۲ کے لکھنے میں بے حد مماثلت ہے اور اس زمانے میں ۴ کے ہندسہ کو بیشتر ایسے ہی لکھا جاتا تھا کہ اس پر ۲ کا گمان گذرتا ہے۔ اس حقیقت کا انکشاف مقالہ نگار کو ''رسوم ہند'' کی ۱۸۶۹ء

کی اشاعت کے صفحات پر درج نمبر شمار سے ہوا۔ جن پر ۲ کا ہندسہ ۴ سے اس درجہ مماثل ہے کہ اگر صفحہ نمبر کی ترتیب کے بغیر دیکھیں تو وہ ۴ ہی لگتا ہے۔ خط تقدیر کی سن اشاعت کے ضمن میں مقالہ نگار کا استدلال یہ ہے کہ اس وقت محکمہ تعلیم کے لیے درسی و نصابی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے تصنیف و تالیف کا سلسلہ سرعت سے جاری تھا اور پھر ایسے میں جب طباعت کی سہولتیں بھی میسر ہوں، ممکن نہیں کہ ایک مختصر تمثیلی قصہ ۱۸۶۲ء کے درمیان میں شروع ہو اور ۱۸۶۵ء میں جا کر شائع ہوا ہو۔ چنانچہ اس بناء پر مقالہ نگار کا اغلب گمان ہے کہ ۱۸۶۴ء ہی درست سن تصنیف ہے۔

۵۷۔ کریم الدین، مولوی: ''خط تقدیر'' لاہور، مطبع سرکاری، ۱۸۶۵ء، ص: ۱۰-۱۱

۵۸۔ گارساں دتاسی: ''خطبات گارساں دتاسی'' (حصہ دوم)، ص: ۶۰

۵۹۔ ''صحیفہ'' لاہور، شمارہ نمبر ۴۰، جولائی ۱۹۶۷ء، ص: ۴۰

۶۰۔ سلطان محمود حسین، سید، ڈاکٹر: ''تعلیقات گارساں دتاسی''، ص: ۲۹۶

۶۱۔ ایضاً، ص: ۲۴۹

۶۲۔ ''صحیفہ'' لاہور، شمارہ نمبر ۶۰، جولائی ۱۹۶۷ء، ص: ۱۸

۶۳۔ ڈاکٹر اسد اریب کے مطابق آزاد نے ۱۸۶۶ء میں لکھی۔ (بچوں کا ادب، ص: ۵۸)

۶۴۔ آزاد، محمد حسین، مولانا: ''اردو کی پہلی کتاب'' حصہ اول تا چہارم، (مرتب) اسلم فرخی، ڈاکٹر: کراچی، ترقی اردو بورڈ، ۱۹۶۳ء، ص: ۳۳ تا ۳۵

۶۵۔ آزاد، محمد حسین، مولانا: ''اردو کی پہلی کتاب'' حصہ اول تا چہارم، مرتب، اسلم فرخی، ڈاکٹر، ص: ۳۷-۳۸

۶۶۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقمہ کا مضمون ''رسوم ہند'' تحقیق و تجزیہ' مشمولہ ''بازیافت'' شمارہ۔۲۵' جولائی تا دسمبر ۲۰۱۴ء

۶۷۔ حکومت پنجاب نے فیصلہ کیا کہ یہ کمیشن جو کتابیں تیار کرے گا ان میں سے بیشتر لاہور میں طبع کی جائیں گی۔

۶۸۔ خلیل الرحمٰن داؤدی: دیباچہ ''رسوم ہند'' مرتبہ کارکنان مجلس ترقی ادب، لاہور، مجلس ترقی ادب، ستمبر ۲۰۰۸ء، ص: ۱۱

۶۹۔ گارساں دتاسی: ''مقالات گارساں دتاسی'' (جلد اول)، ص: ۸۹-۹۰

۷۰۔ آشوب پیارے لال: ''اردو کی تیسری کتاب'' لاہور، مطبع سرکاری، ۱۸۷۶ء، ص: ۵۷-۵۸

۷۱۔ مصنف نامعلوم: ''مختصر تواریخ انگلستان'' لاہور، مطبع سرکاری، ۱۸۶۹ء، ص: ۲-۳

۷۲۔ بلوم ہارٹ کی فہرست کتب اردو کے مطابق یہ کتاب لاہور کے مطبع سرکاری سے ۱۸۷۰ء میں چھپی جس پر مصنف کا نام نہیں دیا گیا، ص: ۱۸۰

۷۳۔ ۱۸۷۱ء کی اس اشاعت میں دوسرے اور تیسرے حصہ میں ماسٹر پیارے لال آشوب کی ''اردو کی تیسری کتاب'' بھی شامل تھی۔

۷۴۔ اگرچہ اس پر مصنف کا نام نہیں لیکن ابتدائی درسی کتابوں کے انداز بیان کے پیش نظر مضمون نگار کا خیال ہے کہ یہ کتاب بھی مولانا محمد حسین آزاد نے تحریر کی۔

۷۵۔ مصنف نامعلوم ''اردو کی پہلی کتاب'' لاہور، مطبع سرکاری، ۱۸۷۱ء، ص: ۵

۷۶۔ ایضاً،ص: ۲۰

۷۷۔ یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس کی لائبریری میں موجود ہے۔

۷۸۔ آشوب، پیارے لال: ''قصص ہند'' (حصہ اول) لاہور، مفید عام پریس، ۱۹۱۹ء، ص: ۳۲

۷۹۔ ایضاً،ص: ۵۲

۸۰۔ تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو راقمہ کا مضمون ''قصص ہند' ایک غلط فہمی کا ازالہ' مشمولہ ''دریافت'' شمارہ۔۱۰' ۲۰۱۱ء۔

۸۱۔ گارساں دتاسی، ''مقالات گارساں دتاسی'' (جلد اول)،ص: ۳۲۴

۸۲۔ یہ اشاعت پنجاب پبلک لائبریری میں موجود ہے۔

۸۳۔ آزاد، محمد حسین، مولانا: ''قصص ہند'' (حصہ دوم)، لاہور، پبلشرز منشی گلاب سنگھ، ۱۹۴۱ء، ص: ۱۸

۸۴۔ امداد صابری: ''حیات آشوب''، دہلی، یونین پرنٹنگ پریس، ۱۹۵۶ء، ص: ۱۵۰

۸۵۔ گارساں دتاسی کے مقالات اور امداد صابری کی ''حیات آشوب'' میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ ''اتالیق پنجاب'' میں ''تاریخ حکومت انگلستان'' کے عنوان سے ایک مختصر مضمون کی صورت میں شائع ہوتی رہی۔

۸۶۔ خورشید اداد پیکر: ''رائے بہادر ماسٹر پیارے لال آشوب دہلوی'' (غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم اے' لاہور 'پنجاب یونیورسٹی' ۱۹۶۵ء) ص: ۴۴

۸۷۔ عبدالقیوم، ڈاکٹر: ''حالی کی اردو نثر نگاری'' مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۴ء، ص: ۶۹

۸۸۔ ایضاً،ص: ۷۱

۸۹۔ گارساں دتاسی: ''مقالات گارساں دتاسی'' (جلد اول)،ص: ۳۳۱

۹۰۔ اسلم فرخی، ڈاکٹر: ''محمد حسین آزاد حیات تصانیف''، ص: ۳۷۳

۹۱۔ گارساں دتاسی: ''مقالات گارساں دتاسی'' (جلد دوم)،ص: ۵۱

۹۲۔ جہاں بانو نقوی کے مطابق ''نیرنگ خیال'' حصہ دوم ایسے ہی پڑا رہا اور مولانا آزاد کی وفات کے بعد آغا محمد طاہر نے ۱۹۲۳ء میں شائع کیا (محمد حسین آزاد، حالات زندگی اور تصنیفات و کلام پر تبصرہ'' حیدر آباد' دکن' ادارہ ادبیات اردو' ۱۹۴۰ء)

۹۳۔ محمد صادق، ڈاکٹر: ''محمد حسین آزاد احوال و آثار''، ص: ۷۱

۹۴۔ آزاد، محمد حسین، مولانا: ''نیرنگ خیال''، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۶ء، ص: ۹۴

۹۵۔ جہاں بانو نقوی: ''محمد حسین آزاد، حالات زندگی اور تصنیفات و کلام پر تبصرہ'' حیدر آباد، دکن، ادارہ ادبیات اردو، ۱۹۴۰ء، ص: ۸۲

۹۶۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: ''آزاد کی تمثیل نگاری پر ایک نظر'' (مضمون) مشمولہ ''فکر و خیال''، کراچی، مئی جون ۱۹۶۳ء، ص: ۵۴

۹۷۔ محمد صادق، ڈاکٹر: ''محمد حسین آزاد احوال و آثار''، ص: ۷۵، ۷۶ کے علاوہ ''نیرنگ خیال'' مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۸۶ کی اشاعت میں بھی ڈاکٹر محمد صادق نے اس پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

۹۸۔ آزاد، محمد حسین، مولانا: ''نیرنگ خیال''، ص: ۴۸

۹۹۔ ایضاً

۱۰۰۔ یہ مضمون ''رسالہ'' انجمن مفید عام قصور کے جولائی ۱۸۷۶ء کے شمارے میں چھپا۔

۱۰۱۔ مولانا الطاف حسین حالی دوبار لاہور تشریف لائے اول بار ۱۸۷۲ء میں آئے اور پنجاب بک ڈپو میں اسسٹنٹ ٹرانسلیٹر کے طور پر ملازم ہوئے اور ۱۸۷۴ء کے اواخر میں دہلی چلے گئے جبکہ دوسری بار جنوری ۱۸۸۷ء میں اینچیسن کالج لاہور کے بورڈنگ ہاؤس میں طلباء کے اتالیق مقرر ہو کر آئے اور چھ ماہ بعد جون ۱۸۸۷ء میں دہلی واپس چلے گئے۔ قیام لاہور کے دوران مولانا الطاف حسین حالی نئے خیالات اور رجحانات سے نہ صرف روشناس ہوئے بلکہ لاہور ہی کی ادبی فضا نے انہیں ذہنی جلا بخشی جس کا ایک نمونہ ''مقدمہ شعروشاعری'' (۱۸۹۳ء) کی صورت میں نظر آتا ہے۔ بقول ڈاکٹر وحید قریشی کہ ''نیچر کا خیال ہالرائڈ کے اثر اور گورنمنٹ بک ڈپو کے تراجم سے پیدا ہوا'' (حالی کی اردو نثر نگاری از ڈاکٹر عبدالقیوم، ص:۳۵۴)

۱۰۲۔ ''مقالات گارساں دتاسی'' (جلد دوم) سے پتہ چلتا ہے کہ اشاعت اول پر ''اخبار پنجابی'' ۱۶ مئی ۱۸۷۴ء میں تبصرہ بھی شائع ہوا۔ نیز اس کی تیسری اشاعت ۱۸۸۱ء مطبع سرکاری لاہور سے ہوئی۔

۱۰۳۔ گارساں دتاسی: ''مقالات گارساں دتاسی'' (جلد دوم)، ص: ۱۹۶

۱۰۴۔ حالؔی، الطاف حسین، مولانا: ''مجالس النساء'' لاہور، مطبع سرکاری، ۱۸۸۱ء، ص: ۲-۳

۱۰۵۔ گارساں دتاسی: ''مقالات گارساں دتاسی''، (حصہ دوم)، ص: ۶۱

۱۰۶۔ یہ نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں موجود ہے اور مضمون نگار کے پیش نظر رہا۔

۱۰۷۔ مصنف نامعلوم ''قصص ہند'' (حصہ سوم)، لاہور، مطبع سرکاری، ۱۸۷۵ء، ص: ۴۰۷

۱۰۸۔ گارساں دتاسی: ''مقالات گارساں دتاسی'' (جلد دوم)، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۵ء، ص: ۳۰۹

۱۰۹۔ بلوم ہارٹ ''فہرست کتب اردو''، ص: ۱۷۵

۱۱۰۔ گارساں دتاسی مقالہ ''ہندوستانی زبان وادب ۱۸۷۷ء میں'' اس کا تذکرہ اس اعتبار سے کرتے ہیں کہ یہ دو رسالوں فائز المعانی اور فائز البیان پر مبنی ہے۔ (ص۴۶۱)

۱۱۱۔ دتاسی ''مقالات گارساں۔ میں فائض کی املا ''فائز'' لکھی گئی ہے۔

۱۱۲۔ اخبار ''پنجابی'' ۱۰ مارچ ۱۸۷۷ء کی اشاعت میں اس پر طویل مقالہ شائع ہوا (''مقالات گارساں دتاسی'' (جلد دوم) ص: ۴۶۱

۱۱۳۔ مصنف نامعلوم: ''قواعد اردو'' لاہور، مطبع مفید عام، ۱۸۸۶ء، ص: ۱۷

۱۱۴۔ اسلم فرخی، ڈاکٹر: ''محمد حسین آزاد حیات وتصانیف''، ص: ۶

ڈاکٹر اسلم فرخی کے مطابق طبع اول کے سرورق پر یہ عبارت ملتی ہے ''لاہور وکٹوریہ پریس میں باہتمام رجب علی شاہ عفی عنہ ۱۸۸۰ء تعداد جلد ۱۰۵۰ قیمت فی جلد ایک (عد) روپیہ محصول ڈاک ۳ آنے بار اول'' جبکہ ڈاکٹر محمد صادق کے مطابق ۱۸۷۶ء میں لکھنے کا ارادہ کیا اور پانچ برس تک اس کی تکمیل میں مصروف رہے اور ۱۸۸۱ء میں شائع ہوئی (محمد حسین آزاد

احوال و آثار) ڈاکٹر اسلم فرخی کی بیان کردہ شہادت کی روشنی میں ڈاکٹر محمد صادق کا دیا کیا سن اشاعت درست نہیں رہتا۔

۱۱۵۔ اس حوالے سے ''مکتوبات آزاد'' میں میجر حسن بلگرامی کے نام ۱۰ فروری ۱۸۸۳ء کا خط ملاحظہ ہو۔

۱۱۶۔ آغا محمد باقر: ''مرحوم انجمن پنجاب'' (مضمون) مشمولہ ''مقالات منتخبہ اورئینٹل کالج میگزین'' لاہور، ۱۹۷۰ء، ص: ۵۶

۱۱۷۔ ''رسالہ انجمن پنجاب'' کے ضمن میں مولانا آزاد کے مقالات کی فہرست اور ان کا سن اشاعت کے لیے ملاحظہ ہو راقمہ کا مضمون ''انجمن پنجاب اور اردو نثر'' مشمولہ ''معیار'' شمارہ نمبر۔ ۵ جنوری تا جون ۲۰۱۱ء۔

۱۱۸۔ آزاد، محمد حسین، مولانا: ''آب حیات'' لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء، ص: ۵۲

۱۱۹۔ ایضاً، ص: ۵۶

۱۲۰۔ جہاں بانو بیگم نقوی: ''محمد حسین آزاد، حالات زندگی اور تصنیفات و کلام پر تبصرہ''، ص: ۶۷

۱۲۱۔ آیا رام بی ای ایچ ای میکلوڈ پنجاب عربی فیلو پنجاب یونیورسٹی کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر علوم و فنون مروجہ ریاضی تھے۔

۱۲۲۔ آیا رام: ''علم سکون'' لاہور، مطبع انجمن پنجاب، ۱۸۸۰ء، ص: ۳

۱۲۳۔ ایضاً، ص: ۲۷

۱۲۴۔ یہ فہرست ڈاکٹر سید عبداللہ کی مرتب کردہ کتاب ''اردو میں سائنسی اور علمی کتابیں'' مطبوعہ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، ۱۹۷۰ء کی مدد سے ترتیب دی گئی ہے۔